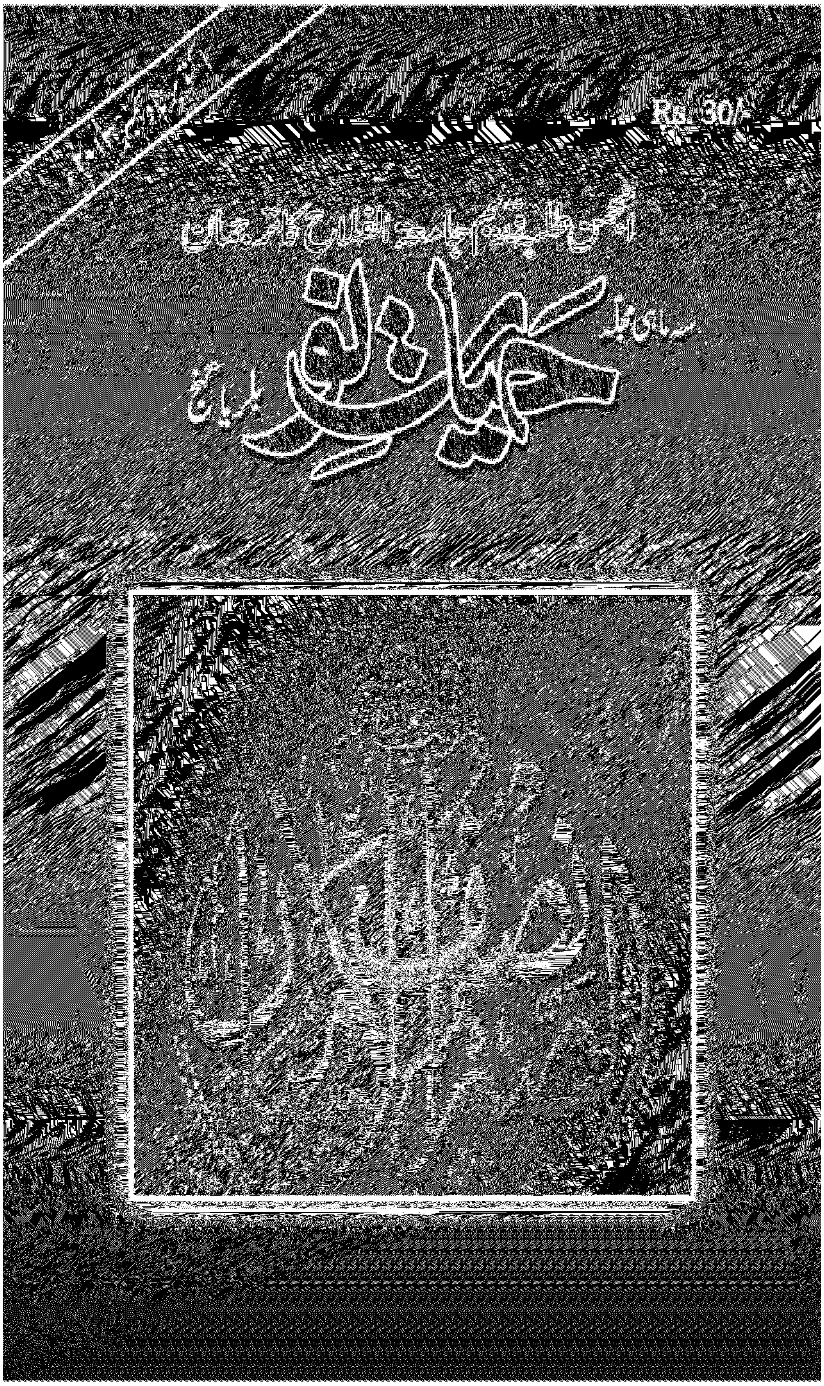

Rs. 30/-
انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان
سہ ماہی مجلہ
حیاتِ نو
بلریا گنج

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

حیاتِ نو

مدیر: ابوالاعلیٰ سید سبحانی

مجلس ادارت:

مشرف حسین صدیقی فلاحی	دہلی
مقبول احمد فلاحی	لکھنؤ
ضمیر الحسن خان فلاحی	علی گڑھ
مولانا محمد اسماعیل فلاحی	جامعۃ الفلاح

فی شمارہ :	اندرون ملک	۳۰روپے
	بیرون ملک	۵امریکی ڈالر
سالانہ زر تعاون :	اندرون ملک	۱۲۰روپے
	بیرون ملک	۲۰امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ :	اندرون ملک	۳۰۰۰روپے
	بیرون ملک	۲۰۰امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

نمائندے

لندن	:	رضوان احمد فلاحی
دہلی	:	نعیم احمد غازی فلاحی
علی گڑھ	:	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
ممبئی	:	حافظ ادہم علی فلاحی
نیپال	:	نذر الحسن فلاحی
یو.اے.ای.	:	خالد حسن رشید فلاحی
قطر	:	محمد اکرم فلاحی
کویت	:	محمد سموئیل فلاحی
سعودی عرب	:	انعام اللہ فلاحی

خط وکتابت کے پتے

- برائے ادارتی امور

ابوالاعلیٰ سید سبحانی، نئی دہلی

abulaalasubhani@gmail.com

+91-9891051676

- برائے انتظامی امور وترسیل زر

عرفان احمد فلاحی جامعۃ الفلاح، بلریا گنج

اعظم گڑھ (یوپی) 276121

+91-9453757380

hayatenau5@gmail.com

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلیٰ سید سبحانی	۵
حمد باری تعالیٰ	سید راشد حامدی فلاحی	۷
کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں	عبدالحلیم فلاحی	۹
وہ انقلابی رات	نسیم احمد غازی فلاحی	۱۱
ہمارے زمانے کا جامعہ	ابوالمکارم ازہری فلاحی	۱۴
اختلافی مسائل اور ہمارا مطلوبہ رویہ	ضمیر الحسن خاں فلاحی	۱۶
امت کے داعیانہ کردار کی بازیافت ۔ کیوں اور کیسے؟ (خصوصی کالم)	مقبول احمد فلاحی	۲۳
	عبدالرب کریمی فلاحی	۲۶
	نعیم غازی فلاحی	۲۸
	ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی	۳۳
	عبدالبر اثری فلاحی	۳۷
	محمد سموئیل فلاحی	۳۹
	فہیم الدین فلاحی	۴۱
	محمد صادق ظلی فلاحی	۴۴
	زید عارف فلاحی	۴۶
اردو تراجم قرآن پر ایک تنقیدی نظر (۲)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۴۸
تیونس کا صبر آزما جمہوری سفر	ذاکر حسین فلاحی	۶۰
تعارف وتبصرہ	عبدالرحمٰن خالد فلاحی	۶۷
آپ کے خطوط	قارئین	۷۱
جامعہ کے لیل ونہار	مصباح الباری فلاحی	۷۶
اخبار انجمن	ادارہ	۷۹

اپنی بات

گزشتہ دنوں ماہ نومبر کے اواخر میں افریقی ملک انگولا سے متعلق اچانک ایک خبر سرخیوں میں آئی اور چلی گئی، نہ تو اس خبر پر عالمی سطح پر کوئی خاص ردعمل سامنے آیا، اور نہ ہی مسلم امت کے اندر اس کی کوئی خاص گونج سنائی دی۔ شائد مسلم امت اس وقت جن حالات سے گزر رہی ہے اور اس کو جس قسم کے شدید خطرات اور چیلنجز درپیش ہیں، ان کے بالمقابل یہ واقعہ اس درجہ اہمیت کا حامل نہ ہو، تاہم دنیا بھر کی مسلم اقلیتوں کے لیے یہ واقعہ یک گونہ توجہ کا طالب اور حد درجہ تشویش کا باعث ہے۔

۲۵/نومبر ۲۰۱۳ء کو انگولا سے آنے والی اس خبر کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ وہاں کی حکومت نے اپنے یہاں اسلام پر پابندی عائد کردی ہے، مساجد بند کردی گئی ہیں، اور مسلمانوں کو کھلے عام مذہبی شعائر اور عبادات کی ادائیگی سے روک دیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ کافی طویل عدالتی کارروائی کے بعد لیا گیا، جس میں ملک کے کلچر، معاشرت اور یہاں پر مسلمانوں کے وجود اور ان کے طرز عمل پر طویل بحثیں ہوئیں۔ پابندی کے پیچھے حجت یہ پیش کی گئی کہ انگولا کی حکومت اپنی سرزمین پر تشدد اور انتہا پسندی کو اجازت نہیں دیتی اور چونکہ عالمی سطح پر اسلام یا مسلمانوں کی شناخت دہشت گرد اور انتہا پسند گروپ کی ہے، اس لیے ان کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔

انگولا ایک بہت چھوٹا سا افریقی ملک ہے، جو ۱۹۷۵ء میں پرتگال سے آزاد ہوا تھا۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق یہاں کی زائد از پچاس فیصد آبادی کیتھولک عیسائیوں پر مشتمل ہے، جبکہ مسلم آبادی کا تناسب محض ا/ فیصد ہے۔ مسلمان یہاں ایک کمزور اور مظلوم اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں، ان کے درمیان جہالت اور غربت کے ساتھ ساتھ آپسی انتشار بھی حد سے بڑھا ہوا ہے، اور حکومت کی جانب سے بھی ان کے ساتھ استحصال کا رویہ اختیار کیا جاتا رہا ہے۔

انگولا میں ہونے والا یہ فیصلہ اپنی نوعیت کا پہلا فیصلہ ہے، جس میں کسی ملک کی عدلیہ نے اپنے حدود میں اسلام پر اس طرح پابندی لگائی ہو، اور اپنے ہی ملک کے شہریوں کی آزادی اور بنیادی حقوق پر اس قدر کاری ضرب لگاتے ہوئے، انہیں آزادئ رائے سے محروم کردیا ہو۔ یہ فیصلہ انگولا کے مسلم شہریوں کی آزادی اور ان کے بنیادی حقوق پر ایک بہت ہی خطرناک چوٹ ہے، جدید دنیا میں اس قسم کی پابندی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، جبکہ عالمی سطح پر ہر انسان کا یہ بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کو عزت کے ساتھ زندگی گزارنے،

من پسند مذہب اختیار کرنے، اس پرعمل کرنے اوراس کی تبلیغ واشاعت کرنے کی آزادی حاصل رہے گی۔

اس موقع پر الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین کی ویب سائٹ پر ایک انگولی مسلم اسکالر کا بیان شائع ہوا، یہ بیان کافی تشویشناک صورتحال کی طرف اشارہ کرتا ہے، اس کے مطابق وہاں کے مسلمانوں نے اس مسئلہ کو لے کر بہت ہی غفلت اور لاپرواہی کا ثبوت دیا ہے۔ حکومت نے مسلمانوں سے تقریباً دس سال قبل اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ وہ اپنا ایک نمائندہ حکومت کے سامنے پیش کریں، جو حکومت کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی صحیح طور سے نمائندگی کر سکے، جو آج تک وہاں کے مسلمان نہیں کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر عام طور پر ذہنوں میں پائی جاتی تھی، گرچہ وہ کسی پروپیگنڈے ہی کا نتیجہ کیوں نہ ہو، اُسی کو سامنے رکھ کر عدالت نے اپنے تجزیے اور غور وفکر کے مطابق اسلام کی پابندی کو ملک اور اہل ملک کے مفاد میں بہتر قرار دیا۔

بہرحال انگولا حکومت کے اس فیصلے کی شدید مذمت ہونی چاہئے، اور حکومت سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ غلط فہمیوں پر مبنی اس فیصلے کو واپس لے، اپنے یہاں کی مسلم اقلیت کو امن وسکون کے ساتھ گزر بسر کرنے کا موقع فراہم کرے، نیز اسلام اور دہشت گردی میں فرق ملحوظ رکھے، اس کے لیے انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی ملکی وعالمی تنظیموں سے بھی مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس ظلم وناانصافی کے خلاف آواز اٹھائیں۔

یہ سانحہ دنیا بھر میں مسلم امت، بالخصوص مسلم اقلیتوں کو ان کے کردار اور ان کے طرز عمل پر نظر ثانی کی دعوت دے رہا ہے۔ مسلم اقلیتیں عموماً علیحدگی پسندی کے مرض کا شکار ہیں، وہ کسی بھی سماج میں الگ تھلگ رہنا دین داری اور تقویٰ کا تقاضا سمجھتی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ معاشرے سے بالکل کٹ کر رہ جاتی ہیں، ملک کے عوام، ملک کے مسائل، ملک کی تعمیر وترقی جیسے معاملات سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، چنانچہ کچھ تاریخی حقائق کی بنیاد پر، کچھ عالمی پروپیگنڈے کے نتیجے میں، اور کچھ مسلم امت کے اس علیحدگی پسند طرز معاشرت کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں عام ہیں، عوامی سطح پر بھی اور ارباب حل وعقد کے یہاں بھی۔ یقیناً اس کے لیے مسلم امت بالخصوص مسلم اقلیتوں کو سماج میں اپنے رویے اور طرز عمل پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔ یہ امت کے داعیانہ کردار کا تقاضا، اور اس کے بہت سے مسائل کا حل ہے، اس سے جہاں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا، وہیں داخلی وخارجی مسائل کی فہرست بھی کچھ مختصر ہوگی۔

امت اسلامیہ کی عمومی صورتحال کا جائزہ بتاتا ہے کہ اس وقت امت کا سب سے بڑا مسئلہ اس کے مقصد وجود یعنی داعیانہ کردار کی بازیافت ہے۔ انگولا سے آنے والا یہ فیصلہ یقیناً ایک کھلی تنبیہ ہے امت کے لیے کہ وہ اپنے اس کردار سے واقف ہو، اور انسانی معاشرہ میں اپنا مطلوبہ کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائے کہ آج دنیا بھر کے ممالک میں اور خود ہمارے ملک بھارت میں اسلام اور اہل اسلام کو جو آزادی اور مواقع حاصل ہیں، وہ غنیمت ہیں، مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

(ابوالاعلی سید سبحانی)

حمد باری تعالیٰ

سید راشد حامدی فلاحی، دہلی

نَفَس نَفَس ہے تری حکومت، جہاں ہے حسنِ خیال تیرا
زمین سے تا فلک ہے ظاہر، جمال تیرا، جلال تیرا

یہ روزو شب کا حسیں تسلسل، ہے ایک ادنیٰ کمال تیرا
چراغِ شب ہے یقین تیرا، سحر ہے عکسِ جمال تیرا

ہجومِ غم میں تجھے صدا دی، تجھے پکارا مسرتوں میں
سرور آگیں ہے ذکر تیرا، نشاطِ جاں ہے خیال تیرا

احد بھی تو ہے، صمد بھی تو ہے، نہیں ہے تیرا شریک کوئی
نمودِ صبحِ ازل بھی تو ہے، عروج بھی لازوال تیرا

حریمِ عقل و خرد بھی لرزاں، نظامِ شام و سحر سے تیرے
سحر میں پنہاں جواب تیرے، سکوتِ شب ہے سوال تیرا

ہزار گرداب میں ہو کشتی، ہزار طوفاں میں ہو سفینہ
مجھے کسی کا ہو خوف کیوں کر، ہے میرا مانجھی خیال تیرا

کہیں جمائے پہاڑ تو نے، کہیں پہ دریا بہائے تو نے
ہر ایک شے سے جھلک رہا ہے توازن واعتدال تیرا

شعور اشیاء کا تو نے بخشا، حروف بخشے سخن کو میرے
متاعِ حرف و نوا بھی تیری، حریمِ فکر وخیال تیرا

قلم بھی قاصر ، زباں بھی عاجز، حروف صُم ، حروف بُکم
تراشوں کیسے میں تیرا پیکر، نہ کوئی خد ہے ، نہ خال تیرا

شعور دے کر مسافتوں کا، مرے سفر کو جہت عطا کی
بدیعِ مشرق ، بدیعِ مغرب، جنوب تیرا ، شمال تیرا

نمازیں کردے مری مرصع، سجود کردے مرے مزین
جبیں ہو راشدؔ کی صبح آسا، زمانہ دیکھے کمال تیرا

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

عبدالحلیم فلاحی، اسلامک ساہتیہ ٹرسٹ، نئی دہلی

ہم مسلمان ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہادی اور پیشوا ہیں۔ آپؐ کی اتباع ہمارے لیے لازم اور فرض ہے۔ آپؐ کی اتباع کے بغیر ہمارا ایمان بالرسالت ایک لغو اور بے معنی چیز بن کے رہ جائے گا۔ اتباع رسول کی فرضیت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اگر ہم قرآن کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ’’اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ‘‘(اللہ کی اطاعت کرو، اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو) کا ذکر متعدد جگہوں پر آیا ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ اللہ کی اطاعت کامل نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ اس میں اطاعت رسول بھی شامل نہ ہو۔ اور رسول کی اطاعت اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کی اتباعِ رسول اس میں شامل نہ ہو، اور چونکہ اتباع کے معنیٰ پیروی کرنے کے ہیں، اس لیے ہمیں اپنے معاملات میں آپؐ کی ذات گرامی کو اسوہ اور نمونہ بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں اس بات کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد ہوتا ہے: ’’لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ‘‘(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں درحقیقت تمھارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے)۔ اسی آیت کے دوسرے جزو میں فرمایا: ’’لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا۔‘‘(ان کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور روز آخرت کی توقع رکھتے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔) گویا اسوۂ رسول کے اتباع کی اہمیت انھیں لوگوں کی نگاہ میں ہوگی جو سرخ روئی کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، اور انھیں یقین ہے کہ ہماری یہ دنیا آخری دنیا نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک اور دنیا ہوگی جسے روز آخرت کہا جاتا ہے۔ جہاں سارے لوگوں کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ انھیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ اسوۂ رسول کی اتباع کے بغیر وہاں کی کامیابی ممکن نہیں ہوگی۔ اسی لیے وہ اسوۂ رسول کو حرزِ جان بناتے ہیں۔

اتباعِ رسول کی اہمیت اور ضرورت کو سورۂ آل عمران کی آیت ۳۱؍ میں بہت واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم

ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔'' (اے نبیؐ، کہہ دو، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع (پیروی) کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر ہم اللہ کی نگاہ میں محبوبیت کا درجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو لازماً ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی ہوگی۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم لاکھ اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے رہیں ہم اللہ کی نگاہ میں محبوبیت کا مقام نہ پا سکیں گے۔ اللہ کی نگاہ میں محبوب ہونے کے لیے اتباعِ رسول ایک لازمی شرط ہے۔ یاد رہے آپؐ کی ساری سنتیں خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے، ان سنتوں کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی اور عائلی زندگی سے ہو، سب اسوۂ حسنہ میں شامل ہیں۔

آپؐ کی سنتوں کو یہ کہہ کر ترک کر دینا کہ یہ سنت ہیں فرض تو نہیں ہیں اس لیے ان پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سنتِ رسول کے ساتھ استہزاء ہے۔ حالانکہ آیتِ مذکورہ بالا سے اتباعِ رسول کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اس آیت میں اتباعِ رسول کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ حب اللہ کے حصول کی ضمانت دی گئی ہے بلکہ گناہوں کی بخشش کی بشارت بھی دی گئی ہے۔ ایک مومن کی اس سے بڑی تمنا کیا ہوگی کہ اس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں۔ قرآن ہی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے جادوگروں نے قبولیتِ حق کے بعد، جبکہ فرعون کی جانب سے طرح طرح کی دھمکیاں سننے کو مل رہی تھیں، اس وقت جس بڑی تمنا کا اظہار کیا تھا وہ خطاؤں کی بخشش ہی تھی، جسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''انا نطمع ان یغفرلنا خطیانا'' (بلاشبہ ہم تو اپنے رب سے اپنی خطاؤں کی بخشش کے آرزومند ہیں۔ الشعراء، آیت: ۵۱)

یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی کا حصول اتباع سنت رسولؐ کے بغیر ممکن نہیں ہے، اگر ہمیں دنیا و آخرت کی کامیابی مطلوب ہے تو ہمیں اسوۂ رسول پر عمل کرنا ہوگا۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا تھا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یقیناً محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے وفا کا حق صرف سیرت کا جلسہ کرنے یا سیرت کے موضوع لکچر دینے سے ادا نہیں ہوگا۔ اس وفا کا حق اس وقت ادا ہوگا جب سنت رسول ہماری زندگیوں میں داخل ہو جائے گی اور آپؐ کا اسوہ ہماری عملی زندگی میں نظر آنے لگے گا۔

وہ انقلابی رات

نسیم احمد غازی فلاحی، مدھر سندیش سنگم، نئی دہلی

صبح دس بجے کا وقت تھا۔ ایک صاحب میرے آفس میں تشریف لائے اور آتے ہی انہوں نے بڑے اضطراب کے ساتھ مولانا محمد فاروق خان صاحب سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے بتایا کہ میں مولانا کا بہت احسان مند ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ہمیں تجسس ہوا کہ مولانا نے ان پر کیا احسان کیا ہے اور یہ کس بات کے لئے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے انہیں ادب سے بٹھایا اور ان سے اپنا تعارف کرانے کی گزارش کی۔ انہوں نے بتایا کہ میں فلاں جگہ کا رہنے والا ہوں جلد ہی ڈپٹی کمشنر سیل ٹیکس کے عہدے سے ریٹائر ہوا ہوں۔ جس وقت میں اپنی سروس میں تھا میرا چپراسی ایک مسلمان تھا۔ میں نے اس کے کاموں سے خوش ہوکر اسے ترقی دے دی۔ وہ مسلمان ملازم بہت خوش ہوا اور میں نے خیال کیا کہ میں نے اس کا پرموشن کر کے اس پر کوئی بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس نے ارادہ کیا کہ اسے میرا شکریہ ادا کرنا چاہئے اور ساتھ ہی کوئی قیمتی تحفہ بھی پیش کرنا چاہئے۔ تحفے میں دینے کے لئے اس مسلم ملازم نے بہت سی چیزوں پر غور کیا مگر کسی چیز کو بھی میرے شایان شان نہ سمجھا، وہ مجھے کوئی ایسا تحفہ دینا چاہتا تھا جو دنیا کا سب سے قیمتی تحفہ ہو۔ وہ اس سلسلے میں برابر فکر مند اور کوشاں رہا اور آخر مجھے دینے کے لئے اس نے ایک قیمتی اور بے مثال تحفہ تلاش کر ہی لیا۔

ایک دن وہ مسلم ملازم صاف ستھرے کاغذ میں پیک وہ تحفہ لے کر میرے گھر حاضر ہوا، میں نے اسے بڑی محبت سے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ بیٹھنے کے بعد کسی تاخیر کے بغیر اس نے کہا کمشنر صاحب! آپ نے پرموشن دے کر مجھ غریب پر اور میرے گھر والوں پر بڑا احسان کیا ہے میں آپ کے احسان کا بدلہ تو کیا شکریہ بھی ادا نہیں کرسکتا۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں آپ کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کروں۔ صاحب! یقین جانئے میرے نزدیک آپ کو پیش کرنے کے لئے اس سے زیادہ قیمتی تحفہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اسے قبول فرمائیں گے۔ یہ کہتے

ہوئے اس نے تحفے کا پیکٹ میری طرف بڑھا دیا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ پھولے نہیں سما رہا تھا، میں نے وہ پیکٹ لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے رسماً اس سے کہا کہ بھائی اس کی بالکل ضرورت نہیں تھی، اور میں نے ہلکی پھلکی تواضع کے بعد اسے رخصت کر دیا۔

اس مسلمان ملازم کے جاتے ہی میں نے فوراً اس پیکٹ کو کھولا تو وہ قرآن مجید کا ہندی ترجمہ تھا۔ اسے دیکھ کر میرا موڈ خراب ہوگیا کیونکہ میں قرآن کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس نے قرآن کو سب سے زیادہ قیمتی تحفہ کہہ کر میرے ساتھ بھدا مذاق کیا ہے۔ اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ وہ میرے ساتھ ایسا سلوک کرے گا تو شاید میں اسے پرموشن ہی نہ دیتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید وہ میری اہلیہ کے لئے سونے کا کوئی قیمتی سیٹ لایا ہوگا۔ میں نے اس قرآن کو حقارت کے ساتھ الماری کے ایک گوشے میں رکھ دیا۔

رات کو حسب معمول جب میں اپنے بستر پر سونے کے لئے لیٹا تو میرے دماغ میں ایک مسلم ملازم کے یہ الفاظ گونجنے لگے، ''صاحب! یقین جانئے میرے نزدیک آپ کو پیش کرنے کے لئے اس سے زیادہ قیمتی تحفہ کوئی اور نہیں ہوسکتا'' یہ خیال آتے ہی میری نیند اڑ گئی اور میں کروٹیں بدلنے لگا۔ میری بیوی میرے قریب لیٹی ہوئی تھی اس نے میری بے چینی اور بےقراری کو دیکھ کر میری طبیعت کے بارے میں دریافت کیا اور کہنے لگی کہ لگتا ہے کہ آپ کے آفس میں آپ کے ساتھ پھر کوئی مسئلہ پیدا ہوگیا ہے، میں نے آپ سے بارہا کہا ہے کہ آپ رشوت وغیرہ سے پرہیز کریں، ورنہ آپ اسی طرح ذہنی اور قلبی بےچینی میں مبتلا رہیں گے۔ میں نے اپنی بیوی کو جھڑکتے ہوئے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔ جب اس نے دیکھا کہ میں بار بار کروٹیں بدل رہا ہوں تو وہ قدرے غصے میں اٹھی اور دوسرے کمرے میں سونے کے لئے چلی گئی۔ میں پہلے تو سونے کی کوشش کرتا رہا مگر جب اس میں کامیابی نہ ملی تو بستر سے اٹھ بیٹھا، لائٹ جلائی تو دیکھا کہ رات کے تین بجے ہیں۔ میں اپنے ڈرائنگ روم میں گیا اور قرآن مجید کا ہندی ترجمہ اٹھا کر لے آیا اور اسے پڑھنے کے لئے بیٹھ گیا۔ میں نے جیسے ہی اسے کھولا تو پہلے ہی صفحے پر لکھی ہوئی یہ عبارت مجھے نظر آئی ''اس عظیم کتاب کو پاک صاف ہوکر پڑھیں'' میں یک لخت چونکا اور پھر فوراً ہی قرآن مجید کو الماری میں رکھ کر غسل کرنے کے لئے چلا گیا۔ نہا دھو کر واپس آیا اور الماری سے دھلے کپڑے نکال کر پہنے۔ قرآن مجید کو اٹھایا اور خاموشی سے پڑھنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے اسے پڑھتا چلا جاتا اس کا اثر میرے دل و دماغ پر پڑتا جاتا۔ میں نے بہت سارے صفحات ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالے۔ اس کی سلیس، معیاری اور مؤثر زبان اور اعلیٰ تعلیمات نے مجھے اتنا متأثر کر دیا

کہ میں پکار اٹھا کہ یہ کلام انسانی کلام نہیں ہوسکتا۔ یہ تو خدائی کلام ہی ہے۔

میں نے مختلف مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا لیکن پہلے ہی دن میں نے محسوس کرلیا کہ کوئی بھی مذہبی کتاب قرآن مجید کے مقابل کی نہیں۔ میرے دل نے یہ گواہی دی اور میں سوچنے لگا کہ میں نے اپنے مسلم ملازم کو پرموشن دے کر اس پر احسان نہیں کیا بلکہ حقیقت میں کلام الٰہی کا یہ بے مثل تحفہ مجھے دے کر اس ملازم نے مجھ پر احسان عظیم کیا ہے۔

اب تو میرا روز کا یہ معمول ہوگیا کہ صبح چار بجے اٹھتا، غسل کرتا اور پھر اس عظیم کتاب کو لے کر اس کا مطالعہ شروع کر دیتا۔ دوران مطالعہ بار ہا ایسا ہوتا کہ میں اپنے پر قابو نہ رکھ پاتا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ مجھے اپنی سابقہ زندگی پر افسوس اور ندامت ہوتی اور میں اپنے اندر یہ عزم پیدا کرنے کی کوشش کرتا کہ آئندہ کی زندگی رب العالمین کے اس ہدایت نامے کے مطابق ہی بسر کرنی ہے۔ میں نے قرآن سے متاثر ہوکر بفضلہٖ تعالیٰ رشوت لینی چھوڑ دی، شراب نوشی چھوڑ دی اور دیگر برائیوں سے توبہ کی اور بھلائیوں کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ ساتھ ہی اپنے غیر مسلم احباب اور دوستوں کو قرآن مجید کی اس عظمت سے واقف کرانا شروع کر دیا۔

کمشنر صاحب یہ بیان کرنے کے بعد چند لمحے خاموش رہے اور پھر بولے کہ میں اس وقت اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ مترجم قرآن مولانا فاروق خاں صاحب سے ملاقات کر کے پوری ہندی دنیا کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کروں کیونکہ انہوں نے کلام الٰہی قرآن مجید کا عربی سے ہندی میں ترجمہ کر کے عربی نہ جاننے والے کروڑوں انسانوں کو رب کے پیغام اور ہدایات سے روشناس کرایا ہے اور اس طرح ان پر احسان عظیم کیا ہے۔ میں اپنے جذبات کی تکمیل کے لئے اپنے محسن مولانا موصوف کے احترام میں آج روزہ رکھ کر حاضر ہوا ہوں اور ریلوے اسٹیشن سے پیدل ہی آیا ہوں۔ شاید اس طرح میں عقیدت ومحبت اور شکریہ کا حقیر نذرانہ ان کی خدمت میں پیش کرسکوں۔

●●

ہمارے زمانے کا جامعہ

ابوالمکارم فلاحی ازھری، شاہین باغ، نئی دہلی

*(اس مستقل کالم کے تحت ابتدائی دور کے فارغین جامعہ اپنی کچھ یادیں اور تاثرات شیئر کریں گے۔ ان شاء اللہ اس سے ہمارے لیے ابتدائی دور کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے، ابتدائی لوگوں کے خوابوں اور تمناؤں سے آشنا ہونے، اور اس کی روشنی میں حال کا جائزہ لینے اور مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کرنے میں آسانی ہوگی۔ **مدیر**)*

جامعۃ الفلاح میں داخلے سے پہلے مجھے جامعہ کی تعلیم اور وہاں کے اساتذہ کے متعلق جو کچھ معلوم ہوا اس سے میرے دل میں جامعہ میں داخلہ لینے اور وہاں کے لائق اساتذہ کرام سے استفادہ کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہاں مولانا جلیل حسن ندوی، مولانا شہباز اصلاحی، مولانا صغیر احسن اصلاحی اور مولانا عبدالحسیب اصلاحی جیسے قابل اساتذہ طلبہ کی تعلیم وتربیت کا کام انجام دے رہے ہیں، چنانچہ اپنے کچھ بزرگوں اور سرپرستوں کے مشورے سے میں نے جامعہ میں داخلے کا فیصلہ کرلیا۔

جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے ۱۹۶۴ء میں جامعۃ الفلاح میں عربی چہارم میں داخلہ لیا تھا، اور چار سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۷ء میں عربی ہفتم سے فراغت کے بعد فضیلت کی سند حاصل کی تھی۔ میرے ساتھ جامعہ کے پہلے بیچ میں فارغ ہونے والے صرف دو ساتھی اور تھے۔ فراغت کے تقریباً ایک سال بعد ۱۹۶۸ء کے آخر میں ہم تینوں فارغین کا داخلہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ہوگیا، جہاں چار سال تک کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے جامعۃ الازہر (مصر) میں داخلہ لیا اور وہاں دو سال میں ماجستیر (ایم اے) کی تکمیل کرنے کے بعد اپنے وطن ہندوستان واپس آگیا۔

ہمارے زمانۂ تعلیم میں جامعۃ الفلاح اپنے قیام کے ابتدائی مرحلے میں تھا، عربی شعبہ میں طلبہ کی تعداد سوڈیڑھ سو سے زیادہ نہیں تھی، اساتذہ کی تعداد غالباً ۱۰/ سے ۱۵/ تک رہی ہوگی۔ شروع میں تعلیم اور طلبہ کی رہائش کے لئے ایک ہی عمارت تھی جس میں کئی کمرے اور ایک بڑا ہال تھا۔ کمروں میں طلبہ کی رہائش کا نظم تھا اور ہال کے گوشوں میں دو تین کلاسیں چلتی تھیں۔ کچھ کلاسیں عمارت کے برآمدہ میں چلتی تھیں، اور اسی

ہال میں پانچوں وقت نماز باجماعت بھی ہوتی تھی۔ بعد میں طلبہ کے لئے الگ ہاسٹل کی عمارت بن گئی جہاں طلبہ منتقل ہوگئے اور پرانی عمارت کے کمروں میں اساتذہ کی رہائش اور عربی درجات کی تعلیم کا نظم ہوا۔

طلبہ کے طعام کا اجتماعی نظم تھا، مطبخ کے قریب کھپریل اور اینٹوں سے بنا ہوا ڈائننگ ہال تھا جس میں طلبہ صبح کا ناشتہ اور دونوں وقت کھانا کھاتے تھے۔ کھلانے کے لئے طلبہ کی باریاں مقرر تھیں۔ اس زمانے میں کھانے کی فیس تقریباً بیس پچیس روپے ماہانہ ہوا کرتی تھی۔

جامعہ کے طلبہ اور اساتذہ کے درمیان باپ اور بیٹوں جیسا رشتہ تھا۔ طلبہ شوق اور محنت سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اپنے مشفق اساتذہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ تعلیمی اوقات کے علاوہ بھی اساتذہ کے پاس جاکر اسباق سمجھتے تھے۔ مغرب بعد تمام طلبہ لالٹین جلاکر درسی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہوجاتے تھے اور پچھلے اسباق کے اعادہ کے ساتھ آئندہ اسباق کی تیاری کرتے تھے۔ میرے اہم اساتذہ میں مولانا جلیل احسن صاحب ندویؒ اور مولانا شہباز صاحب اصلاحیؒ تھے۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالعلیم اصلاحی، مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحیؒ اور مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی صاحب سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔

جامعہ کے ذمہ داران اس کی تعمیر و ترقی کے سلسلہ میں کافی دلچسپی لیتے تھے، اور ممکنہ حد تک طلبہ کے لئے ہر قسم کی سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ قصبۂ بلریا گنج کے افراد کا جامعہ کے طلبہ و اساتذہ کے ساتھ ہمدردی اور اپنائیت کا رویہ تھا، اور ذمہ داران کے ساتھ بھی تعاون کا جذبہ تھا۔ چونکہ جامعہ کی مجلس انتظامیہ کے ممبران میں بلریا گنج اور اس کے اطراف کے افراد کی خاصی بڑی تعداد تھی اس لئے ان کی رایوں اور مشوروں کو اہمیت دی جاتی تھی اور ان کے مطابق جامعہ کی تعمیر و ترقی سے متعلق کام انجام پاتے تھے۔

اُس وقت جامعہ کے مستقبل کے سلسلہ میں اساتذہ اور ذمہ داران جامعہ کا خواب یہ تھا کہ مستقبل میں جامعہ ایک بڑی یونیورسٹی کی شکل اختیار کرے گا، اور یہاں کے فارغین میں ایسے باصلاحیت افراد ہوں گے جو دعوتی، تعلیمی اور تصنیفی ہر میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں گے، اور ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کریں گے۔ اس سلسلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ یہ خواب پورے طور پر شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا لیکن پھر بھی فارغین جامعہ میں خاصی تعداد ایسے افراد کی ہے جو ملک اور بیرون ملک کی متعدد یونیورسٹیوں میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مختلف میدانوں میں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کچھ دعوت اسلامی اور درس و تدریس میں مشغول ہیں تو کچھ صحافت اور تصنیف و تالیف کے میدان میں کام کررہے ہیں، اور کچھ طب اور دوسرے شعبوں میں سرگرم عمل ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فارغین جامعہ کی خدمات کو ملک و ملت کے لئے مزید مفید بنائے اور جامعہ کے تعلیمی و تربیتی نظام کو مزید بہتر بنانے کی ذمہ داران جامعہ کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اختلافی مسائل اور ہمارا مطلوبہ رویہ

(اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں)

ضمیر الحسن خان فلاحی، ادارہ تحقیق وتصنیف، علی گڑھ

نبی اکرمؐ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ امت کی بقا الفت ومحبت اور وحدت واتحاد کی مرہون منت ہے، جہاں دلوں میں نفرت پیدا ہوئی، امت فنا ہوجائے گی اسی لیے آپؐ نے اختلاف کا بیج پڑنے سے پہلے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی۔ صحابہ کرامؓ، جن کی تربیت درس گاہ نبوت میں ہوئی تھی، انھیں یقین تھا کہ اختلاف سے کبھی خیر اور سعادت حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ یہ بغض وعناد، حسد وکینہ، عداوت ودشمنی اور امت کی متحد صفوں میں دراڑ ڈالنے کا ہی سبب بنے گا۔

رسول اللہؐ کا فیضِ تربیت تھا کہ:

۱) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حتی الامکان اختلاف سے گریز واجتناب کرتے تھے اور یاد رکھتے تھے کہ ''لاتختلفوا فتختلف قلوبکم''۔

۲) اختلاف کی صورت میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کو حکم بناتے تھے کہ رفع اختلاف کا اس سے کارگر نسخہ اور کوئی نہیں ہوسکتا، ''ان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول''۔

۳) اپنی رائے پر بے جا اصرار سے دور رہتے تھے، ہر شخص کو یہ احساس رہتا تھا کہ اس کے بھائی کی رائے بھی اتنی ہی درست ہوسکتی ہے جتنی اس کی، اس احساس وشعور کا فیض تھا کہ ان میں کا ہر فرد، دوسرے کا احترام کرتا اور ہر طرح کی عصبیت سے محفوظ ومأمون رہتا۔

۴) نفسانیت جس کو قرآن مجید نے ''ہویٰ'' کہا ہے، اس سے بچتے، اور احتیاط وتقویٰ کی راہ اختیار کرتے کہ یہی راہ اس بات کی ضامن ہے کہ حقیقت تک رسائی ہی فریقین کا مطمح نظر اور اصل مقصد بن جائے۔

۵) ہمیشہ نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کو اپنا شعار بناتے اور جارحانہ ولغو زبان استعمال کرنے سے

بالکلیہ پرہیز کرتے۔

یہ وہ اصول تھے جو اختلاف آراء کی صورت میں صحابہ کرامؓ اپنے سامنے رکھتے تھے، جن کی مثالیں آگے پیش کی جائیں گی۔

یہاں اس شبہہ کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ بعض مسلم مفکرین و مصنفین کی کوششوں سے ایسا لگتا ہے اور امت یہ سمجھنے لگی ہے کہ اب ایسی مثالی امت وجود میں آ ہی نہیں سکتی۔ یہ تصور غلط ہونے کے ساتھ ساتھ دین اسلام کے سلسلہ میں صریح بدگمانی بھی ہے۔ گویا یہ حضرات یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے عہد کے بعد کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے سایہ میں اب اسلامی زندگی کی تشکیل محال ہے، یہ خیال سراسر غلط اور باطل ہے۔ جس کتاب اور جس سنت نے صحابہ کرامؓ کی جماعت کو ایک مثالی اور آئیڈیل جماعت بنایا تھا، وہ دونوں چیزیں اپنی اصل حالت میں ہمارے درمیان آج بھی موجود ہیں اور ان میں آج بھی وہی قوت وتاثیر ہے جو اس وقت تھی، بس شرط یہ ہے کہ ان پر اسی طرح عمل کیا جائے جس طرح اس جماعت نے کیا تھا، یقیناً ان ہی اوصاف واخلاق کی حامل امت پھر وجود میں آسکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو فرق پڑسکتا ہے وہ یہ کہ شرف صحابیت نہیں مل سکتا، اس کے علاوہ وہ ساری سعادتیں آج بھی حاصل ہوسکتی ہیں جو اس وقت حاصل ہوئیں۔ ذیل میں اس مثالی جماعت کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات اور ان اختلافات کے سلسلے میں ان کے طرز عمل کا ذکر کیا جارہا ہے:

سب سے پہلا اختلاف جو رونما ہوا وہ آپؐ کی وفات کا مسئلہ تھا جس کی شدت کا عالم یہ تھا کہ صحابی رسولؐ سیدنا عمر فاروقؓ جیسے زیرک افراد کسی طرح سے اس خبر کو ماننے کے روادار نہیں تھے اور تلوار ہاتھ میں لیے مدینہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے، مگر جیسے ہی آپؐ کے دیرینہ رفیق و یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت فرمائی کہ ''إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُون ''۔ (زمر:۳۰) اور ''وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِين ''۔ (آل عمران:۱۴۴) یہ سننا تھا کہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے تلوار گرگئی اور انھیں آپؐ کی وفات کا یقین ہوگیا اور کہا: مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس سے قبل میں نے ان آیات کو کبھی پڑھا ہی نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر۴/ ۶۹، سیرۃ ابن ہشام۴/ ۵۵)

اس کے بعد خلافت کا مسئلہ اور خلافت کے فوراً بعد مانعین زکوٰۃ سے جنگ کے مسئلہ میں اختلاف، یہ سب وہ اختلافات ہیں جو رسول اللہؐ کے وصال کے فوراً بعد پیش آئے مگر کسی موقعے پر خون خرابہ دور کی بات، کسی کی تحقیر وتکفیر کی بھی نوبت نہ آئی۔

مذکورہ اختلافات کے علاوہ بھی بہت سے فقہی اختلافات کے مطالعہ سے قابل رشک اور حیرت

انگیز محبت کے نمونے سامنے آتے ہیں کہ کس طرح وہ ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔مثال کے طور پر مرتد قیدی عورتوں کے مسئلہ میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مابین شدید اختلاف تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں اپنی رائے پر عمل بھی کیا۔ان عورتوں کے سلسلہ میں حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ انھیں آزاد کر کے ان کے مردوں کے حوالہ کر دینا چاہیے اور حضرت ابوبکرؓ کی دانست میں یہ صحیح حکمت عملی نہیں تھی۔اسی طرح مفتوحہ اراضی کے سلسلہ میں بھی دونوں مختلف الرائے تھے،حضرت ابوبکرؓ تقسیم کے قائل تھے جبکہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ان زمینوں کو وقف کر دیا جانا چاہیے۔عطیات کی تقسیم میں بھی دونوں حضرات میں اختلاف تھا،صدیقؓ مساوات کے قائل تھے اور فاروقؓ تفاضل وترجیح کے، یہاں تک کہ فاروقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ترجیح کی بنیاد پر عطیات کی تقسیم کی،حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ کی حیثیت سے نامزد کیا جبکہ عمرؓ کے نزدیک یہ عمل درست وصحیح نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے کسی کو نامزد نہیں کیا۔اس کے علاوہ اور بھی مسائل میں دونوں کے درمیان اختلاف تھا، مگر اس کے باوجود دونوں کی ایک دوسرے سے عقیدت ومحبت کا عالم یہ تھا کہ استخلافِ عمر کے وقت کسی نے حضرت صدیق سے جب یہ کہا کہ ہم پر عمرؓ جیسے سخت آدمی کو خلیفہ مقرر کر رہے ہیں کل اللہ کی عدالت میں اگر یہ سوال ہوا تو کیا جواب دیں گے؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:اقول: اللھم انی استخلفت علیھم خیر اھلك ''یعنی میں کہوں گا کہ تیرے سب سے بہتر بندہ کو مقرر کر کے آیا ہوں۔ایک دفعہ کسی نے عمرؓ سے کہہ دیا کہ آپ ابوبکرؓ سے بہتر آدمی ہیں،تو حضرت عمرؓ رو پڑے اور کہا:واللہ للیلة ابی بکر خیر من عمر و آل عمر، ابوبکر کی زندگی کی ایک رات عمر اور آل عمر کی تمام زندگی پر بھاری ہے۔امت کے شیخین اور ان کے اختلاف کے یہ چند نمونے ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ رایوں میں تو اختلاف ہوا،مگر دل ایک رہے کیونکہ دل آسمانی رسیوں سے بندھے ہوئے تھے اس لیے زمینی مٹی ان کو متأثر نہ کر سکی۔

شیخین کی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان بھی بعض مسائل میں نقطہ نظر کا اختلاف تھا مگر اختلاف دشمنی کا سبب نہیں تھا۔ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے ایک عورت جس کا شوہر گھر پر موجود نہیں تھا اور دوسرے لوگوں کی اس کے یہاں آمد ورفت تھی۔حضرت عمرؓ نے اس پر روک لگائی اور عورت کو بلوایا، قاصد نے جب عورت کو خبر دی تو وہ ڈر گئی،ڈری سہمی دارالخلافت کی طرف چل دی، راستہ میں دردِزہ ہوا تو ایک مکان میں پناہ لی اور بچہ جنا جو مر گیا۔آپؓ نے اصحاب رسولؐ سے مشورہ کیا کہ اس مسئلہ میں کیا ہونا چاہیے۔بعض لوگوں کی یہ رائے سامنے آئی کہ اس بچہ کی دیت آپ پر واجب نہیں ہوتی کیونکہ نظام کی اصلاح وتأدیب آپ کی ذمہ داری ہے۔حضرت علیؓ اب تک خاموش تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: تمھاری کیا رائے ہے؟ علیؓ نے کہا: اگر ان حضرات نے اپنی رائے دی ہے تو یہ رائے

میرے نزدیک صحیح نہیں ہے اور اگر آپ کو خوش کرنے کے لیے ایسا کیا ہے تو یہ آپ کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ میری رائے میں آپ پر دیت واجب ہے کیونکہ آپ ہی کی وجہ سے بچہ کی جان گئی ہے چنانچہ خلیفہ وقت نے اس رائے کو پسند فرمایا اور اس پر عمل کیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو اصحاب رسولؐ میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے، اور جنھیں خود زبان رسالت سے فقہ وبصیرت کی سند حاصل تھی، جنہیں جماعت صحابہ میں کتاب اللہ کا بڑا عالم تصور کیا جاتا تھا اور جن کو اکثر صحابہ اہل بیت رسولؐ میں شمار کرتے تھے۔ ان کے اور حضرت عمر کے درمیان بھی بہت سارے مسائل میں اختلاف رائے ہوا، امام ابن قیمؒ کے مطابق جن مسائل میں ان دونوں بزرگوں کے درمیان اختلاف ہوا ان کی تعداد سو سے زائد ہے۔ (اعلام الموقعین ۲/۲۱۸) مثلاً نماز کے دوران ابن مسعودؓ رکوع کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان کر لیتے تھے۔ گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے، اس کے برخلاف حضرت عمرؓ اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے تھے اور درمیان میں کرنے سے منع کرتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہہ دے کہ ''أنــت عـلی حرام '' (تو مجھ پر حرام ہے) تو حضرت ابن مسعودؓ کے یہاں محض قسم تھی جبکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک طلاق۔ ابن مسعودؓ کی نظر میں اگر کوئی مرد کسی عورت سے زنا کرنے کے بعد شادی کر لے تو اس کے بعد بھی حالت زنا میں ہے حالانکہ عمر فاروقؓ پہلی حالت کو بدکاری اور بعد کی حالت کو نکاح مانتے تھے۔ اس کثرت اختلاف کے باوجود دونوں کی محبت، مودت اور رشتۂ اخوت میں کوئی کمی نہیں آئی، نہ ابن مسعودؓ کی نگاہ میں عمر فاروقؓ کی قدر ومنزلت میں فرق پڑا اور نہ عمر فاروقؓ نے ابن مسعودؓ پر اپنی بصیرت وتفقہ کا رعب جمایا بلکہ حضرت ابن مسعودؓ عمر فاروقؓ کو اسلام کا حصن حصین سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے جانے سے اسلام کا ایک مضبوط قلعہ ٹوٹ گیا۔ (الاحکام ۶/۶۱) حضرت عمر کی محبت کا عالم یہ تھا کہ ایک دن انھیں آتا دیکھ کر فرمایا! علم وفقہ کا خزانہ آرہا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۴/۱۶۱ وحیاۃ الصحابہ ۳/۲۵۷۲۱)

ان روشن قندیلوں سے بعد کے زمانے کے علماء کو اپنے دل کے نہاں خانوں کو روشن کرنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور زید بن ثابتؓ اکابر صحابہ میں سے ہیں، نبی کریمؐ سے ان کا تعلق کسی بیان کا محتاج نہیں ہے، ان دونوں حضرات کا بھی فقہی مسائل میں اختلاف ہوا، جیسے ابن عباسؓ کے مطابق دادا کی موجودگی میں باپ کی طرح بھائی بہنوں کی وراثت بھی ساقط ہوجاتی ہے لیکن زیدؓ کے خیال میں بھائی، دادا کی وجہ سے محجوب نہیں ہوگا، حضرت ابن عباس کو اپنی رائے کی صحت پر اس قدر یقین تھا کہ کہا کرتے تھے: میں چاہتا ہوں کہ میراث کے اس مسئلہ میں جو لوگ مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں وہ اور میں سب جمع ہوں، اور اللہ سے دعا کریں، گریہ وزاری کریں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ (ادب الاختلاف

فی الاسلام ص ۶۷)

صحابہ کرام کے درمیان مختلف مسائل میں اختلاف کے باوجود ان کا کردار کیا تھا، ملاحظہ کریں کہ ایک دن ابن عباسؓ نے زیدؓ کو سواری پر آتے دیکھا تو ان کے اونٹ کی رکاب پکڑ کر چلنے لگے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا: کہ اے رسول اللہؐ کے چچا جائے! اسے چھوڑ دو، اس پر ابن عباسؓ کا جواب تھا کہ! ہمیں اپنے اہل علم کی تعظیم وتوقیر کا یہی حکم ہے، زیدؓ نے کہا: اچھا اپنا ہاتھ دکھایئے حضرت ابن عباسؓ نے ہاتھ بڑھایا، تو حضرت زیدؓ نے چوم لیا اور فرمایا: ہمیں اہل بیت کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم اور تعلیم دی گئی ہے۔ (حیاۃ الصحابہ ۳/۳۱)

حضرت زید بن ثابتؓ کے انتقال پر حضرت ابن عباسؓ نے نہایت آبدیدہ ہوکر کہا کہ: علم اس طرح رخصت ہوتا ہے۔ (اعلام الموقعین ۱/۸۱) دوسری روایت میں ہے کہ آپؓ نے کہا: آج علم کا وافر حصہ زمین میں دفن ہوگیا۔ (سنن بیہقی ۶/۲۱۱۔ حیاۃ الصحابہ ۳/۲۶۷)

صحابہ کرامؓ کے نقطۂ نظر اور رائے کے اختلافات کو جمع کیا جائے تو کئی کتابیں بھی ناکافی ہیں مگر یہ چند نمونے صرف یہ بتانے کے لیے پیش کیے گئے ہیں کہ امت کو معلوم ہوسکے کہ قرآن وسنت کی جس آغوشِ تربیت میں صحابہ کرامؓ کی پرورش ہوئی تھی، اس میں کسی بھی حال میں آداب اختلاف اور حدود اختلاف سے تجاوز جائز نہ تھا، خلافت راشدہ کے اخیر دور میں جو جنگی حادثات پیش آئے، ان کے اسباب ووجوہ جو بھی ہوں، مگر ان نازک ترین حالات میں بھی یہ رشتہ ایمانی متاثر نہیں ہوا۔ حضرت علیؓ کے بارے میں مروان بن حکم کا یہ تأثر بڑا معنی خیز ہے کہ: میں نے علیؓ سے زیادہ کریم انسان نہیں دیکھا، جنگ جمل میں بھی وہ ہمارے ولی تھے، ان کا منادی پکار رہا تھا کہ: ''کسی زخمی کو نہ مارا جائے''، حالانکہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ جنگ جمل میں یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے حریف تھے۔

جنگ جمل کے بعد عمران بن طلحہ حضرت علیؓ کے یہاں گئے، حضرت علی نے ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا اور کہا: مجھے امید ہے کہ مجھے اور تمھارے باپ کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں شامل فرمائے گا جن کے بارے میں اس کا ارشاد ہے: ''ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین'' (یعنی ان کے دلوں سے بغض وکینہ نکال دیں گے، وہ مسندوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی بن کر بیٹھے ہوں گے) اس کے بعد عمران بن طلحہ سے گھر کے ایک ایک فرد کا نام لے کر خیریت دریافت کی، مجلس میں موجود بعض لوگ جنھیں شرف صحابیت حاصل نہیں تھا اور جو اصحاب رسولؐ کی عظمت وشرافت سے ابھی اچھی طرح واقف نہیں تھے انھیں حیرت ہوئی، اور دو آدمی بول اٹھے کہ کل انھیں سے برسرپیکار تھے اور پھر جنت میں بھائی ہو جاؤ گے؟ یہ سن کر حضرت علیؓ غضبناک ہوگئے اور فرمایا: میں اور طلحہ جنت میں

اس طرح قریب نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا؟ (طبقات ابن سعد ۲۲۴/۳ وحیاۃ الصحابہ ۴۶۱/۱۲)

جنگ جمل میں فریق مخالف کے بارے میں کسی نے سید مرتضیٰ سے پوچھا کہ یہ لوگ مشرک ہیں؟ آپؓ نے فرمایا: ''من الشرك فروا'' وہ شرک سے دور ہیں، پوچھا: کیا منافق ہیں؟ فرمایا: منافق اللہ کا ذکر نہیں کیا کرتے، پوچھا: آخر کون لوگ ہیں؟ کہا: ہمارے بھائی ہیں، جنھوں نے ہم سے بغاوت کی۔ (سنن بیہقی ۱۷۳/۸۔)

عمار بن یاسرؓ جو جنگ جمل میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے موقف کے خلاف تھے، ان کے سامنے کسی نے ام المؤمنین کو کچھ کہا تو آپ نے اسے ڈانٹا، اور کہا: کہ رسولؐ کی محبوب زوجہ کو اذیت پہنچاتا ہے، وہ جنت میں آپ کی زوجہ ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ ہمارا امتحان لیا ہے کہ ہم ان کی اطاعت کرتے ہیں یا اللہ کی۔ (کنز العمال ۱۶۶/۷، حیاۃ الصحابہ ۴۶۲/۲)

یہ ان لوگوں کے نمونے ہیں جن کے درمیان مشیت خداوندی کے تحت صف آرائی بھی ہوئی لیکن جو نور انھوں نے شمع نبوت سے پایا تھا، ان کے دلوں کو منور کرتا رہا، بغض وحسد کی ظلمتوں کو مٹاتا رہا، لاکھ اختلاف کے باوجود وہ بھائی بھائی بنے رہے، اور اتحاد و یگانگت کے یہ اعلیٰ نمونے پیش کیے، فالحمد لله على ذالك۔

صحابہ کرام کے رویے سے یہ چیز بالکل عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ

الف) ان کے اختلاف کی بنیاد نفسانیت نہیں بلکہ حق وصواب کی جستجو تھی، ٹکراؤ اور نزاع کی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب نفسانیت کارفرما ہوتی ہے، اسی لیے جب حق بات سامنے آجاتی، تو وہ فوراً قبول کر لیتے تھے، کسی طرح کی سبکی محسوس نہیں کرتے تھے۔

ب) تمام تر مسائل میں وہ اسلامی اخوت کو دین اسلام کی ایک اہم بنیاد سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس اخوت کے قیام کے بغیر دین کا قیام ممکن نہیں ہے، ان کا اس بات پر ایمان ویقین تھا کہ اخوت اسلامی، افتراق واختلاف سے بلند تر ہے۔

ج) کوئی صحابی کسی کی لغزش پر تنبیہ اور اس کی نشاندہی کرتا، تو عیب جوئی اور تنقید سے بالاتر ہوکر محض اس اعتقاد کے ساتھ کرتا کہ ''الدین النصیحة'' اور دوسرا اسے ایک تعاون سمجھ کر نہ صرف قبول کرتا بلکہ اس کا شکر گزار ہوتا۔

امت کے داعیانہ کردار کی بازیافت

کیوں اور کیسے؟

امت کے داعیانہ کردار سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی بنیاد کیا ہے؟

اس سلسلے میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں سے ہمیں کیا رہنمائی ملتی ہے؟

امت کی موجودہ صورتحال کے تناظر میں اس کی بازیافت کیوں ضروری ہے؟

کیا اس کردار کی بازیافت ممکن ہے، اگر ہاں، تو کیسے؟اس کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

یہ اور اس طرح کے متعدد سوالات ہیں جو امت کے داعیانہ کردار کی بازیافت سے متعلق سامنے آتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں ان سوالات پر اچھی اور مفید گفتگو کی گئی ہے، امید کی جاتی ہے کہ اس سے ہمارے درمیان ایک سنجیدہ علمی بحث کا آغاز ہوگا۔ (مدیر)

● **مقبول احمد فلاحی**، نائب ناظم جامعۃ الفلاح۔
امت مسلمہ سے مراد وہ انسانی گروہ ہے جو دین اسلام کی صداقت پر یقین رکھتا ہے۔
دین اسلام کی صداقت پر یقین رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر نہ صرف عمل کیا جائے بلکہ اس کو دوسرے ان تمام لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے جو اسلام پر یقین نہیں رکھتے ہیں۔
دیگر امتوں کے درمیان امت مسلمہ کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپؐ پر نازل شدہ اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم پر ایمان رکھتی ہے۔
امت مسلمہ کے داعیانہ کردار کی بازیافت کا مطلب انہیں دونوں حقائق کی جانب رجوع ہے۔ اسے رجوع الی اللہ یا رجوع الیٰ الاصل کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ امت مسلمہ کے داعیانہ کردار کی بازیافت کا سررشتہ اسلام کی بازیافت سے ہے، اور اسلام اپنے متبعین کو داعی الی اللہ کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی حیثیت داعی الیٰ اللہ کی ہے، اور آپ پر نازل شدہ کتاب قرآن کریم مکمل کتابِ دعوت الی اللہ ہے۔
امت مسلمہ کے داعیانہ کردار کی بازیافت کیوں؟ یہ اصل سوال نہیں ہے، اصل سوال یہ ہے کہ دین اسلام اور اس سے تعلق رکھنے والی امت! امت مسلمہ جو امتداد زمانہ، اپنوں کی لغزشوں اور فروگزاشتوں، غیروں کی ریشہ دوانیوں اور بعض دیگر تاریخی عوامل کے سبب اپنی اصل پہچان کھو چکی ہے، اسے اصل صورت میں کیسے لوٹایا جائے۔
یہاں پہونچ کر امت مسلمہ کی بازیافت کے بجائے اصل مسئلہ اسلام کی بازیافت کا سامنے آتا ہے۔ اسلام کی بازیافت سے ہی امت مسلمہ کی بازیافت اور اس کے داعیانہ کردار کی بازیافت ہوگی۔
صورت حال کی وضاحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے: "**قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدأ الاسلام غریباً و سیعود کما بدأ، فطوبیٰ للغرباء**"، یعنی اسلام کا آغاز بڑی اجنبیت کی حالت میں ہوا ہے اور آئندہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسلام اپنے آغاز کی مانند پھر اجنبی ہو جائے گا، پس جب اسلام اجنبی ہو جائے تو خوش قسمت اور قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جو اسلام سے وابستہ ہو کر خود اجنبی ہو جائیں۔
اس وقت دنیا کے نقشہ پر اسلام کے تعارف کے چار ذرائع زندہ و متحرک ہیں:
۱۔ قرآن کریم
۲۔ سیرت وسنت رسول
۳۔ قرآن وسنت کی تعبیرات وتشریحات
۴۔ مسلمان نام سے موسوم انسانی گروہ

ان ذرائع میں سے چوتھا ذریعہ اسلام کی بازیافت میں معاون ہونے کے بجائے معارض ہے، اور بحیثیت مجموعی اس کے کردار وطرز عمل سے اسلام کا غلط تعارف ہو رہا ہے۔ تیسرا ذریعہ گرچہ نہایت اہم اور ناگزیر ہے اور اسلامی تاریخ میں مخصوص اوقات اور حالات میں اس ذریعہ کا اہم رول رہا ہے اور ہے، مگر ایک دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ اسلام کی انسانی تعبیرات وتشریحات پر زیادہ انحصار اسلام کے حقیقی تعارف میں یک گونہ رکاوٹ بنتا نظر آتا ہے۔

اسلام کی تعبیرات وتشریحات کا تعلق مخصوص حالات، جغرافیائی اور سیاسی پس منظر، اہل علم کی ذہنی ساخت اور مختلف دیگر تاریخی عوامل سے ہے، اس لئے اسلام کی حقیقی بازیافت کے لئے اس تیسرے اہم ذریعہ کو بھی ایک حد تک نظرانداز کرتے ہوئے اصل الاصول یعنی قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے تاریخی تسلسل وارتقاء کے مراحل میں اصل اسلام ہی گم ہوگیا ہے۔

دورنبویؐ میں سادہ سی صورت حال یہ تھی کہ شرک وجہالت کے گڑھ میں آپؐ مبعوث ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے منصب نبوت پر سرفراز کرنے کے ساتھ ہی قرآن کریم کی شکل میں اپنی ہدایات دینی شروع کیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لے کر انسانوں کے درمیان آئے اور انسانیت کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال نکال کر حق وصداقت اور اللہ واحد سے جوڑنے لگے۔ جس جس کی آنکھ کھلتی اور اس پر حق منکشف ہوجاتا، وہ اسی ڈگر پر چلنے لگتا۔ ایمان لاتا، اس کے تقاضوں کی تکمیل میں لگ جاتا اور قرآن کے قالب میں ڈھلنے کے ساتھ اپنے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر وہ پیغام حق لے کر انسانیت کے قافلہ میں گھس جاتا اور ایک ایک انسان کو جہالت کے راستے سے نکال کر راہ حق پر ڈالنے کی کوشش میں لگ جاتا۔

اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور قرآن تھا۔ نبیؐ جو ہدایات دیتے اور اللہ تعالیٰ قرآن میں جو نازل فرماتا، مسلمان اسے مضبوطی سے پکڑ لیتے۔ ان کا کام بس یہ تھا کہ ایمان لاؤ، اطاعت کرو اور دوسروں کو راہ حق پر ڈالنے کی جدوجہد کرو۔ خود جہنم کی آگ سے بچو اور دوسرے سارے لوگوں کو جہنم کی آگ اور اللہ کے غضب سے بچانے کی کوشش کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسوہ تھی اور اسی اسوہ کی بلند چوٹی دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ تھا۔ قرآن کی تعلیمات کا اسلوب یہ تھا کی اللہ کے بندے اندھیروں میں ہیں وہ حق کے اجالے میں آجائیں، کفر وشرک کی گمراہیوں سے حق وصداقت کی شاہراہ پر آجائیں اور جو آتے جائیں ان کے لئے کیا کرنا ہے یہ بتایا جاتا رہے۔

قرآن کا اسلوب بھی دعوتی ہے اور نبیؐ کا اسوہ بھی دعوت ہی سے عبارت ہے۔ اللہ ورسول کی اطاعت کی بنیاد پر جو افراد مجتمع ہوئے سب کے سب داعی تھے مگر امتداد زمانہ نے اِس وقت صورت حال بدل دی ہے۔

دور حاضر میں ایک بڑا فرق اور واقع ہوا ہے۔ وہ یہ کہ پہلے آج کی طرح بہت زیادہ جغرافیائی حد بندیاں اور ان کے ناپسندیدہ تقاضے نہ تھے۔ مختلف جدید اصطلاحات، نعرے اور حالات پر اثر انداز

ہونے والے ذرائع و وسائل نہ تھے، جو بات ہوتی تھی بہت سادہ اور واضح رہتی تھی۔ سمجھانے والے اور سمجھنے والے دونوں کے لئے معاملے کی تہہ تک پہنچ جانا آسان تھا۔

اس وقت دنیائے انسانیت گلوبل ویلج ہوگئی ہے۔ کوئی منصوبہ بندی کسی مخصوص خطہ کے لئے کارگر نہیں ہورہی ہے۔ اس دنیا میں ایک جگہ اسلام اور اہل اسلام کے لئے ہے تو بہت بڑی جگہ اسلام مخالف طاقتوں نے گھیر رکھی ہے، اور ان کی کوششیں اور منصوبہ بندیاں بہت پر پیچ اور دوررس نتائج کی حامل ہیں۔

درج بالا تمہیدات کے تناظر میں امت مسلمہ کے دعوتی کردار کی بازیافت کے ذیل میں چند نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآن کے تراجم، اور تعبیرات وتفسیرات کو دور نبوی کے پس منظر میں خالص دعوتی انداز میں لانے کی ضرورت ہے۔ (غیر مسلم دنیا کے پس منظر میں) موجودہ تراجم وتفاسیر اپنی تمام تر افادیت کے باوجود کارِ دعوت کی راہ میں یک گونہ حجاب ہیں۔

۲۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے اسوہ کو اس انداز سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک طرف غیر مسلم دنیا اس میں کشش محسوس کرے اور دوسری طرف امت مسلمہ اس کو آئیڈیل بنا کر میدان دعوت میں کود پڑے۔ سیرت کے وسیع ذخیرے میں خالص داعیانہ کردار کی تشکیل کے لئے نسبتاً مواد کم ہے۔ اسی طرح احادیث کے گراں قدر مجموعوں میں ایسے مجموعے جو حیات طیبہ کا اصل دعوتی عکس منعکس کرسکیں کم یاب ہیں۔

۳۔ اسلام اور تعلیمات اسلام کی بازیافت عالمی تناظر میں: روز اول سے دنیا دو بڑے خیموں میں منقسم ہے، اہل باطل نے تو نہایت زیرکی سے اپنی طویل المیعاد منصوبہ بندی کر رکھی ہے، اور قدم بہ قدم اپنے ناپاک منصوبوں کو زیر عمل لانے کی سنجیدہ کوشش میں لگے ہوئے ہیں، مگر اہل حق ابھی تک عالمی منظرنامے پر اپنی کوئی تصویر نہیں بنا سکے ہیں اور وہ اس لئے کہ ان کے سامنے عالمی سطح کی کوئی اجتماعی سوچ ہی نہیں ہے۔ دراصل دعوت الی اللہ غلبۂ حق کے منازل میں پہلی اور نہایت اہم منزل ہے۔ جغرافیائی حدود وقیود نے نہایت محدود سطح پر سوچنے پر مجبور کر رکھا ہے جبکہ دور حاضر میں علاقائی منصوبہ بندی کوئی معنی نہیں رکھتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ امت کا وہ بڑا حصہ جو مسلم ملکوں سے تعلق رکھتا ہے اس کا دعوتی کردار کیا متعین کیا جائے اور عالمی منصوبہ بندی کے بغیر اس کے دعوتی کردار کی بازیافت کیسے ہوسکتی ہے؟

۴۔ جدید دور کی نظریاتی اصطلاحات اور ان کے طلسم ہوش ربا نے پوری اسلامی دنیا کو ایسا مدہوش اور ذہن ودماغ کو ایسا ماؤف کر رکھا ہے کہ خالص حق کا روئے تاباں نگاہوں سے اوجھل ہوگیا ہے، جبکہ دعوتی کردار کی بازیافت کا راست تعلق حق سناشی اور اس پر ایمان ویقین سے ہے۔ سیکولرزم، سوشلزم، ڈیموکریسی وغیرہ جو اہل باطل کے وضع کردہ اپنے حصار ہیں ان جھمیلوں میں الجھ کر اپنی راہ کھوٹی کرنے سے کیسے بچایا جائے؟

۵۔اسوہ (رول ماڈل): اوپر مذکور فکری و علمی خلا کے ساتھ کسی سطح پر کوئی دعوتی اسوہ بھی نہیں ہے۔ مادیت کے بہاؤ نے ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کوئی دعوتی زندگی گزارنا چاہے تو کیوں گزارے اور کیسے گزارے؟ اور کس گروہ یا فرد کو اپنا اسوہ بنائے؟ اسوۂ رسول کی عملی تطبیق تو کسی فرد یا گروہ ہی کو کرنی ہوگی۔

۶۔اللہ کا شکر ہے ان سارے نامساعد حالات کے باوجود اللہ کے مخلص بندے ہر جگہ دعوتی کام میں مصروف ہیں اور ان کی کوششیں بھی اللہ کی تائید وحمایت سے رنگ لا رہی ہیں مگر ان کی شناخت کیسے کریں گے جنہوں نے اس پاکیزہ عمل کو بازار کا نفع بخش سودا بنا لیا ہے اور وہ مکمل طور سے ملت کا استحصال کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

مذکورہ صورت حال کے پس منظر میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ ملت اسلامیہ کے دعوتی کردار کی بازیافت ایک انقلابی فکر وعمل کی متقاضی ہے۔ سوچیے اس اہم تقاضے کی تکمیل کیسے ہوگی؟

● **عبدالرب کریمی فلاحی،** شعبہ دعوت، مرکز جماعت اسلامی ہند

امت مسلمہ ایک داعی امت ہے، اس کا مقصد وجود ہی اس کا منصبی فریضہ ہے۔ اللہ تعالی نے اسے خیر امت اور امت وسط کا خطاب دے کر دنیا کا سب سے بہتر گروہ قرار دیا ہے۔ یہ آخری امت ہے، ختم نبوت کے بعد کار رسالت کی عظیم ذمہ داری اسی امت پر ہے۔ اب امت محمدیہ داعی امت ہے، بنی نوع انساں کے سامنے قولی اور عملی شہادت اسی کو پیش کرنا ہے۔ دعوت دین کی ذمہ داری امت کے کسی مخصوص حصے یا طبقے یا کسی دینی تنظیم کی نہیں بلکہ یہ کام پوری امت کو اپنی حیثیت کے مطابق انجام دینا ہے۔

قرآن کریم اور اسوۂ رسولؐ میں دعوت سے متعلق نہایت واضح اور اصولی رہنمائی ملتی ہے۔ حیات طیبہ کے مطالعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ کار دعوت کی ادائیگی کے لیے آپؐ کس قدر بے چین رہتے تھے۔ لوگوں کو ہدایت مل جائے اور جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں اس کے لیے راتوں کو اٹھ کر اللہ کے حضور سربسجود ہوتے، دعائیں کرتے، ذمہ داری کا اتنا شدید احساس تھا کہ ہر وقت بے چین رہتے۔ ایک بار آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن کی تلاوت کے لیے فرمایا، انہوں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی، جب وہ اس آیت پر پہنچے: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَـؤُلاء شَهِيدًا۔ (سورہ نساء: ٤١) ترجمہ: (پھر سوچو کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ آپؐ زار وقطار رو رہے ہیں۔ رونے کی وجہ نعوذ باللہ یہ نہیں تھی کہ آپؐ کار دعوت انجام نہیں دے رہے تھے، بلکہ دعوت کی عظیم ذمہ داری کو آپ محسوس کر رہے تھے کہ آخرت میں باز پرس ہوگی، جوابدہی کا یہی تصور تھا کہ آپؐ کی بے چینی اور اضطراب پر اللہ تعالی نے اس

طرح تسلی دی ہے: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً۔ (سورة الكهف: ٦) ترجمہ: (اچھا تو اے نبیؐ، شائد تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھودینے والے ہو، اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔)

قرآن مجید کی مذکورہ دونوں آیتوں اور آپؐ کی حیات طیبہ کے بہت سارے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ دعوت دین کے فریضہ کی ادائیگی میں آپؐ کس درجہ فکرمند رہتے تھے۔ ذمہ داری کا یہی احساس تھا کہ آپؐ اپنے آخری حج میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: لوگو! کیا میں نے دعوت کا حق ادا کر دیا، صحابہ کرامؓ سے شہادت ملنے کے بعد آپؐ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرماتے ہیں: اے اللہ تو بھی اس شہادت پر گواہ رہ۔

یہاں رک کر ہم اپنا انفرادی اور اجتماعی جائزہ لیں، کیا واقعی ہم امت محمدیہ کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے کار دعوت کو انجام دے رہے ہیں، جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس دینی فریضے سے پہلوتہی برت کر دنیا میں سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ آخرت میں کامیابی مل سکتی ہے۔ اگر ہم دنیا میں امن وسکون چاہتے ہیں تو اس کے لیے دعوت ہی شاہ کلید ہے، جس ملک میں ہم رہتے ہیں، وہ مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔ ماضی میں کچھ مخصوص حالات کی وجہ سے برادرانِ وطن شدید غلط فہمیوں کا شکار ہیں، ہمیں اپنے قول وعمل سے ان غلط فہمیوں اور اشکالات کو دور کرنا ہوگا۔ صدیوں سے ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی ہم ان کے سامنے یہ واضح نہیں کر سکے ہیں کہ اسلام، قرآن اور حضرت محمدؐ سب کے لیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان نت نئے مسائل کا شکار ہیں۔ اللہ نے جسے خیر امت قرار دیا تھا، اس نے اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے پستی اور ذلت کو اپنا مسکن سمجھ لیا ہے۔ جسے دنیا کے غیر مسلم اقوام کو زندگی کا درس دینا تھا، وہ خود کاسۂ گدائی لیے گھوم رہا ہے، یہ صرف اس لیے ہوا کہ ہم نے داعی امت کی حیثیت کو بھلا دیا۔ امت مسلمہ اپنا کھویا ہوا وقار (دور نبوی اور خلافت راشدہ) کارِ دعوت کی انجام دہی کے ذریعہ ہی بحال کر سکتی ہے۔ ہمارے آپسی انتشار اور اختلافات بھی اسی سے کم ہو سکتے ہیں۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ فریضہ دعوت کی ادائیگی کی وجہ سے اسے دنیا میں سربلندی اور فتح وکامرانی ملی ہے، اور جب اس نے اسے ترک کر دیا تو ذلت ورسوائی مقدر ٹھہری۔

فریضہ دعوت کو ترک کرنے کا ایک آخری اور بڑا خسارہ آخرت میں ہوگا، جب بنی نوع انساں کا ایک بڑا گروہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا مقدمہ پیش کرے گا کہ ان کے ساتھ رہنے والوں نے انہیں حق کی دعوت نہیں پہونچائی تھی، اس وقت ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امت کے اندر داعیانہ جذبہ کیسے پیدا کیا جائے، برادران وطن کو دعوت کیسے اور کن امور پر دی جائے، یہ بہت خوش آئند پہلو ہے کہ دعوت کے نام پر آج بہت سے

ادارے، تنظیمیں اور افراد سرگرم عمل ہیں، ظاہر بات ہے کہ ہر کوشش کو دعوت کا نام نہیں دیا جاسکتا، دیکھنا ہوگا کہ کون سا طریقۂ دعوت اسوۂ رسول سے ہم آہنگ ہے۔

اپنی دعوت میں تأثیر پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ داعی اپنے سیرت وکردار کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنائے، رسول اللہ کی سیرت سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے دعوت عام سے پہلے مکہ والوں کے سامنے صادق وامین ہونے کا کردار پیش کیا، کردار کی مضبوطی کے بغیر داعی مدعو کے سامنے یقین واعتماد سے اپنی بات پیش نہیں کرسکتا۔

● **نعیم غازی فلاحی**، رکن شوری انجمن طلبہ قدیم، ورکن شوری جامعۃ الفلاح

امتِ مسلمہ کی تعمیر وتشکیل میں جن بنیادی اوصاف کو اولیت حاصل ہے اُن میں امت مسلمہ کا داعیانہ کردار اور اس کا دعوتی پہلو سب سے اہم ہے۔ جب ہم قرآن وسنت اور اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات بہت واضح اور دوٹوک انداز میں ہمارے سامنے آتی ہے کہ امتِ مسلمہ بحیثیتِ مجموعی ایک داعی امت ہے۔قرآن میں متعدد مقامات پر دعوتِ دین کی اہمیت اور امت مسلمہ کے ساتھ اس کے خصوص کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن امت کے ہر ایک فرد سے دعوت الی اللہ کا مطالبہ کرتا ہے۔کارِ دعوت کی حیثیت فرضِ کفایہ کی نہیں بلکہ اس کی حیثیت فرضِ عین کی ہے۔معلوم نہیں یہ غلط فہمی امت مسلمہ میں کہاں سے در آئی کہ کارِ دعوت امت کے کچھ خاص لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب کہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے دائرۂ اسلام میں آتے ہی اس پر کارِ دعوت فرض ہوجاتا ہے۔البتہ اس کام کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر کام کو پس پشت ڈال کر صرف دعوت کے کام میں مشغول ہوجائے۔اس کے لیے آذوقۂ حیات کی فراہمی بھی بے حد ضروری ہے، اپنے گھر اور خاندان کی تعلیم وتربیت اور ان کے رزقِ حلال کی تلاش کے لیے جدوجہد اور دوڑ دھوپ بھی لازمی امر ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ بات ہر وقت مستحضر رہنی چاہئے کہ وہ ایک مسلمان ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے بندگانِ خدا تک خدا کا آخری پیغام پہنچانا بھی اس کی آخرت کی کامیابی اور دنیا میں اسلام کی بقا کے لیے بے حد ضروری ہے۔اُسے اپنے قول سے، اپنے عمل سے، اپنی نشست وبرخواست سے ہر لمحہ ہر پل بندگانِ خدا تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اس کے دل ودماغ میں دعوت الی اللہ کی اہمیت وفرضیت واضح ہو۔اسے اپنے مشن کا احساس ہو، اس کی لگن ہو، وہ عملی طور پر اسلام کی سچی تصویر ہو۔زبانی دعوت کے مقابلے میں عملی دعوت زیادہ مؤثر اور کارگر ہوتی ہے۔ وہ اپنے عمل سے اس بات کی شہادت دے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح وکامرانی کے لیے اسلام ہی واحد راستہ ہے۔افسوس کا مقام یہ ہے کہ آج امت مسلمہ بحیثیتِ مجموعی اپنے اس مشن کو تیاگ چکی ہے۔آج ہمارا مطمحِ نظر صرف دنیا ہے۔

ہماری شب وروز کی سرگرمیوں کا مرکز ومحور صرف مادی آسائشوں اورتن آسانیوں کا حصول ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم پورے طور پر قعرِ مذلت میں گر چکے ہیں۔دنیا کے چکر میں ہم نے آخرت تو کھوئی ہی ہمارے ہاتھ سے دنیا بھی نکل گئی،ہمیں نہ خدا ملا نہ وصالِ صنم۔اس پر مستزاد یہ کہ ہم اللہ سے شکوہ کناں ہیں،جبکہ ہمارے عمل سے یہ قطعاً نہیں معلوم ہوتا کہ ہم اسلام کے علمبردار ہیں۔

میں یہاں کوئی علمی بحث نہیں کرنا چاہتا،ایک عام مسلمان بھی اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے،دنیا اس کے لیے دارالامتحان کی حیثیت رکھتی ہے،اوراسی نہج سے اس کے ساتھ برتاؤ ہونا چاہئے۔امت مسلمہ محض بڑے بڑے کاروبار کرنے کے لیے،اونچے اونچے عہدے حاصل کرنے کے لیے،اوراقتدار وحکومت کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے نہیں پیدا کی گئی ہے۔ یہ پیدا کی گئی ہے اللہ کے بندوں کے درمیان اللہ کا پیغام عام کرنے کے لیے،توحید،رسالت اورآخرت کی دعوت دینے کے لیے،آخرت کا خوف،اورآخرت کی جوابدہی کا احساس بیدار کرنے کے لیے،انسانوں کو ان کے مقصدوجود سے واقف کرانے،اوران کو اللہ اوراس کے دین سے وابستہ کرانے کے لیے۔

قرآن مجید اس سلسلے میں امت اسلامیہ کی بہترین رہنمائی کرتا ہے،لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ قرآن کا مطالعہ ہمارے یہاں بالکل غائب ہے۔ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہی نہیں!حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اور رسولؐ کی سنت کا مطالعہ کرنے کے بعد ہماری زندگی کا،اور ہمارے شب روز کا اچھا خاصا حصہ اس بات کے لیے گزرنا چاہئے کہ ہم اپنے برادران وطن تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے جدوجہد کریں۔اس کے لیے پہلے ہمیں ان کے ساتھ اچھے تعلقات بنانے پڑیں گے،تعلقات کے نتیجے میں وہ ہمارے قریب آئیں گے،پھر ہم ہر بات میں ان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مجھے اللہ کے رسولؐ نے سکھائی ہے،یہ میں نے اللہ کی کتاب سے سیکھی ہے،اللہ کی یہ کتاب 'قرآن مجید' میرے لیے بھی ہے اور آپ کے لیے بھی،یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا سامان رکھتی ہے۔

دعوت دین ایک بہت ہی بنیادی فریضہ ہے،اوراسی فریضے کی ادائیگی پر ہمارا مستقبل موقوف ہے، دنیا میں بھی اورآخرت میں بھی،چنانچہ امت کی تمام پلاننگ اور مستقبل کے لیے منصوبہ بندی اسی نکتے کو سامنے رکھ کر ہونی چاہئے،مثال کے طور پر اگر امت اسلامیہ کے اندر اتحاد کی بات کی جائے تو وہ مختلف حقوق اور مطالبات کے لیے نہیں بلکہ اس بنیاد پر کہ ہم دعوت دین کا فریضہ انجام دیں گے۔برادران وطن سے مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں متحد نہیں ہونا ہے،بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اسلام کے پیغام کو پہنچانے اور عام کرنے کے لیے ہمیں متحد ہونا ہے،یہی ہمارے اتحاد کی بنیاد ہونی چاہئے۔

یہ حقیقت ہے کہ دعوت دین کا یہ کام بہت ہی صبر واستقامت اور قربانی کا مطالبہ کرتا ہے،اس میں بھی اللہ کے رسولؐ کا اسوہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے،اللہ کے رسولؐ کی جب بعثت ہوئی تو آپؐ نے

مشرکین مکہ سے دودو ہاتھ نہیں کیے، بلکہ آپؐ نے توحید خالص کی دعوت کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق سے، اپنی امانت داری سے، اپنے کردار اور برتاؤ سے لوگوں کا دل جیتا، حالانکہ اس زمانے میں زبردست مخالفت کا سامنا تھا۔ جب اللہ کے رسولؐ اور ان کے صحابہؓ دین کی دعوت دے رہے تھے، اس وقت آپؐ اور آپ کے صحابہؓ طرح طرح کی آزمائشوں کا شکار ہوئے، کبھی آپ کے صحابہؓ کو گرم پتھروں پر لٹایا گیا، اور کبھی تپتے ہوئے ریت پر گھسیٹا گیا، خود آپؐ کے بارے میں مشہور واقعہ ہے کہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے وقت آپؐ پر اونٹ کی اوجھ ڈال دی گئی، لیکن کہیں بھی دیکھئے آپ، دور اول کی پوری تاریخ کا جائزہ لیجئے، معلوم ہوگا کہ آپؐ اور آپ کے ساتھیوں نے کبھی بھی مزاحمت کی راہ نہیں اختیار کی، اس انداز سے مقابلہ نہیں کیا، جس انداز سے ہم آج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج ہم پر ذرا سا ظلم ہوجاتا ہے، تو ہم فوراً ہنگامہ کرنے لگتے ہیں، جبکہ اگر ہم قرآن مجید کا مطالعہ کریں، مثال کے طور پر سورہ العصر ہے: وَالْعَصْرِ۔ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۔ اس میں واضح تعلیم موجود ہے کہ حق کی دعوت دینی ہے اور اس کے نتیجے میں جو آزمائشیں آئیں گی، ان پر صبر کرنا ہے۔ کہیں بھی یہ حکم نہیں ہے کہ آپ ان کا مقابلہ کیجئے، اور ان سے دودو ہاتھ کیجئے۔ ہمارے یہاں صبر کی اتنی تلقین ہے۔ آخر یہ صبر کب ہوگا، اسی وقت یہ ہوگا جب آپ آزمائش کا شکار ہوں گے۔ آزمائش کب ہوگی، اسی وقت جب آپ اپنا داعیانہ کردار پیش کریں گے۔ اللہ کے رسولؐ کو دیکھئے، ایک بوڑھی عورت ہے، وہ آپؐ پر کوڑا پھینک رہی ہے، آپؐ کپڑے جھاڑ کر بڑھ جا رہے ہیں، آپؐ جھگڑا نہیں کر رہے ہیں۔ آج امت مسلمہ کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی شخص خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، کسی مسلمان پر کوئی ذرا سی بھی زیادتی کرتا ہے، تو فوراً وہ انتقام لینے پر اتر آتا ہے۔ قربانی اور صبر کا جذبہ ہمارے یہاں سے بالکل ختم ہوگیا ہے، حالانکہ اہل اسلام اور دعوت دین کا کام کرنے والوں کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہونا چاہئے۔

دعوت دین کے کام کے نتیجے میں اگر باطل سے آپ کا مقابلہ ہوتا ہے، تو آپ صبر و استقامت سے کام لیجئے۔ برداشت کیجئے اس کو، قربانی دیجئے، آپ وقت کی قربانی دیجئے، پیسے کی قربانی دیجئے، حقوق کی قربانی دیجئے، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک چیز پر آپ کا حق بنتا ہے، لیکن اس حق کو، اگر اس کا تعلق ہمارے بنیادی شعائر، اعتقادات اور فرائض سے نہیں ہے، اور اسے چھوڑنے کے نتیجے میں اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ ہزاروں لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا سکیں گے، دین کے لیے جگہ پیدا کر پائیں گے، اللہ کی محبت لوگوں کے اندر پیدا کر پائیں گے، تو آپ کو یہ حق چھوڑ دینا چاہئے۔ لیکن بالعموم ہم آج کی تاریخ میں یہ مان کر چل رہے ہیں کہ نہیں ہم کسی سے کم ہیں کیا؟! ملک کی آزادی کی بات ہوتی ہے، آپ نے کہا کہ ملک ہم نے آزاد کرایا، ٹھیک ہے، لیکن اس کے نتیجے میں آپ تمام طرح کے حقوق مانگ رہے ہیں۔

آپ حقوق مت مانگئے، آپ کا کردار داعیانہ ہونا چاہئے، آپ حقوق مانگنے والے نہیں بلکہ حقوق دینے والے بنئے، آپ کی سماج میں ایک پہچان ہونی چاہئے، لوگوں سے آپ کے تعلقات اچھے ہونے چاہئیں، آپ پڑوسیوں کے حقوق ادا کیجئے، پریشان حال لوگوں کا خیال کیجئے، لوگوں کے مسیحا بننے کی کوشش کیجئے، یہ اسلام کا آپ سے مطالبہ ہے، اور دعوت دین کا کام کرنے والوں کی بنیادی خوبی ہے۔ بالعموم یہ دیکھا جارہا ہے کہ ایک ذرا سے فساد کا خوف ہماری امت پر اتنا طاری ہے کہ فساد ہوجائے گا تو ہمارے گھر جل جائیں گے، نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنی کالونیاں الگ بنارہے ہیں۔ کالونیاں الگ بنانے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جو ہمارے برادران وطن غیر مسلم ہیں، ان تک نہ تو ہماری فکر پہنچ رہی ہے، نہ ہمارا کوئی عمل ان کے سامنے آرہا ہے، اور صورتحال یہ ہے کہ وہ ہمارے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔

اس وقت ملت اسلامیہ ہند جتنے بھی مسائل کا سامنا کررہی ہے، اس میں نوے فیصد مسائل کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں لوگوں کو غلط فہمی ہے۔ میرا یہ کہنا ہے کہ آپ لوگوں کے بیچ میں جائیے، برادران وطن کے بیچ میں جائیے، ان کے بیچ میں رہئے، ان کے درمیان آپ کا جو داعیانہ کردار ہے، جو آپ کو قرآن مجید اور اسوۂ رسولؐ سے ملتا ہے، اس کا اپنی عملی زندگی کے ذریعہ تعارف کرائیے، لوگوں کے ساتھ اچھے طریقے سے، خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئیے، اس کے نتیجے میں لوگ نہ صرف آپ سے متأثر ہوں گے، بلکہ اسلام سے متأثر ہوں گے، اور اسے سمجھیں گے، لیکن اس چیز کا زبردست فقدان ہے۔

مسلمانوں پر ابھی جو آزمائشیں آرہی ہیں ان کے بارے میں ہماری یہ غلط فہمی دور ہونی چاہئے کہ وہ دعوتی کردار کا نتیجہ ہیں، بلکہ یہ صرف اور صرف قومی کشمکش کا نتیجہ ہیں، یہ اجارہ داری کا مسئلہ ہے، ان کو لگتا ہے کہ مسلمان تشدد پسند ہیں، وہ غلط فہمیوں کا شکار ہیں، جیسے پاکستان کے اندر ہے، پاکستان کے اندر اسلام کی لڑائی نہیں ہے، وہاں ہے برتری کی لڑائی، مختلف تنظیمیں ہیں وہاں پر جو اپنی برتری کے لیے باہم دست وگریباں ہیں۔ کشمیر کے اندر دیکھئے کہ آزادی کی بات کرنے والی مختلف تنظیمیں ہیں جو ہندوستان میں ''آتنک وادی'' کے طور سے دیکھی جاتی ہیں، ان میں سے کسی کا دعوتی کام نہیں ہے، اور ہندوستان میں دعوتی کام جو تنظیمیں واقعتاً کررہی ہیں، ان کے لیے یہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اور اگر رکاوٹیں ہیں تو اس قسم کی نہیں ہیں۔

ہندوستان دنیا کا واحد ملک ہے جہاں دعوت دین کا کام کرنا سب سے زیادہ آسان ہے، اور ہم لوگ نہیں کرپارہے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہاں کوئی رکاوٹ پائی جاتی ہے، ہم لوگ ٹرینوں میں سفر کرتے ہیں، ہسپتالوں میں جاتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں کہیں کوئی لڑائی نہیں، کہیں کوئی رکاوٹ نہیں۔

ایک بار میں اعظم گڑھ گیا، وہاں کی جامع مسجد میں مجھے نماز جمعہ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ نماز بعد میں نے دیکھا کہ تقریباً پچاس غیر مسلم عورتیں اور بچے گلاس میں پانی لیے ہوئے مسجد کے باہر کھڑے ہوئے تھے، صرف اس لیے کہ لوگ نماز پڑھ کر آئیں گے اور اس میں پھونکیں گے اور اس پھونک سے ان کے

مریضوں کو شفا ملے گی۔ اتنا احترام اور عقیدت کا جذبہ مسلمانوں کے لیے ہمارے برادران وطن کے اندر پایا جاتا ہے، اس جذبے سے مستفید ہونے کی ضرورت ہے۔ وہ آپ کو بہت عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، آپ کی دعاؤں میں وہ اتنا اثر پاتے ہیں کہ آپ ان کے گلاس میں پھونک دیں گے تو ان کے مریض شفا پا جائیں گے، ان کو دوا کی ضرورت نہیں پڑے گی، ہمیں بس ان کے درمیان دعوت کا کام کرنے کی ضرورت ہے۔

حکومتی سطح پر اگر کچھ رکاوٹیں کبھی سامنے آتی بھی ہیں تو وہ صرف غلط فہمی کی وجہ سے ہیں، ہماری اکثریت نے اپنے آپ کو اسلامی اقدار، صالح اقدار اور اخلاق پر مبنی تعلیمات سے دور کر رکھا ہے، ہم ایک کلچرل اسٹائل میں جی رہے ہیں۔ اگر کسی کے ساتھ کچھ معاملہ ہوتا ہے تو بغیر تحقیق کے کہ حقیقت کیا ہے، ہم فوراً واویلا مچانا شروع کر دیتے ہیں، جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور افہام وتفہیم کی کوشش کریں۔ ایک صاحب کو میرے بارے میں غلط فہمی تھی، میں ان کے پاس گیا، اور ان سے گفت وشنید ہوئی، چنانچہ وہ اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ میں ان سے بذات خود ملنے کے لیے آیا، کہنے لگے کہ اگر تم نہیں آئے ہوتے تو میرے دماغ میں یہ غلط فہمی ہمیشہ ہمیش کے لیے پڑی رہتی۔ ملک کے جوار باب حل وعقد ہیں، اور جو مسلمانوں کے سلسلے میں غلط فہمی کا شکار ہیں، ہم لوگ ان کے پاس پہنچتے ہی کہاں ہیں! ہم داعیانہ حیثیت سے ان سے باتیں ہی نہیں کرتے، ہم ان کو بتائیں جا کر، ان سے ملیں۔ مثال کے طور پر ہمارے مدارس ہیں، ہم کبھی اپنے مدارس کے اندر غیر مسلموں کو نہیں لائے، جب ہم پروگرام کریں گے تو ہم کیا کریں گے کہ اپنے ہی کچھ لوگوں کو بلائیں گے، کیا وجہ ہے کہ کبھی ہم نے غیر مسلموں کو اپنے یہاں نہیں بلایا۔ مدارس کے اندر ملک کی ہندو مذہبی وسیاسی تنظیموں کے افراد کو بلائیں، ان کو مدارس کا سسٹم دکھائیں، ان کو اپنے یہاں مہمان کی حیثیت سے رکھیں، ہمارے یہاں طلبہ واساتذہ کی روزمرہ کی جو مصروفیات ہوتی ہیں، وہ ان کے درمیان رہ کر دیکھیں، اس طرح ان کی غلط فہمیاں دور ہوں گی۔ ایک صاحب بتا رہے تھے کہ ٹرین میں ایک فیملی نے ہمیں سیٹ پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو بہت متأثر ہوئی، حالانکہ اب تک وہ ٹرین میں راستوں کو بند کر کے نماز پڑھنے والوں کو دیکھ کر نماز کے سلسلے میں بڑی غلط فہمی کا شکار تھی، اس کی وجہ بھی اس نے بتائی کہ وہ لوگ کسی کی مجبوری اور ضرورت کا لحاظ نہیں کرتے، اور صحیح انداز سے سامنے والے سے مخاطب نہیں ہوتے۔ اسی طرح نسیم غازی صاحب کی نماز والی کتاب ایک صاحب نے وشو ہندو پریشد کے ایک صاحب کے پاس بھیجی، جب انہوں نے اسے پڑھا، تو وہ اس سے بہت متأثر ہوئے کہ نماز میں یہ یہ پڑھا جاتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ نماز کے بہت سخت مخالف تھے، اس کتاب کو پڑھنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ہر محلے میں مسجد ہونی چاہئے۔ ابھی ملیشیا کے اندر یہ فیصلہ آیا کہ اللہ کا نام غیر مسلم استعمال نہیں کر سکتے۔ اللہ تو سب کا ہے، آپ اس طرح کا فیصلہ کیوں لیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کے بارے میں یہ

خیال عام ہے کہ قرآن صرف مسلمانوں کی کتاب ہے، علماء کرام ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسے تمام انسانوں کے لیے اتارا گیا ہے۔

اصل میں یہ ہے ہمارا داعیانہ کردار کہ ہم خود کو سماج اور معاشرے میں اتاریں، لوگوں سے ہمارے تعلقات، ہمارے لین دین اور دیگر معاملات کے پیچھے دعوت دین کا جذبہ کارفرما رہے، ان شاء اللہ ملک کے حالات تبدیل ہوں گے، اور اسلام کے لیے فضا ہموار ہوگی۔

● **ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی**، شعبۂ اسلامیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

وہ بندگان خدا جو کلمہ طیبہ کے مقدس اور انقلابی بول کے ذریعہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں، وہ بحیثیت جماعت، خیر امّت، امّت وسط اور شہداء علی الناس سے ملقب ہوجاتے ہیں۔ افراد امّت کے پاس اللہ کا بھیجا ہوا دین ایک بڑی امانت ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اس امانت کو اپنی زندگیوں کی زینت بنائی جائے اور اسے اس دنیائے انسانیت تک پہنچایا جائے جو اس سے محروم ہے۔

دین اسلام محض شخصی فلاح ونجات کا علمبردار نہیں ہے بلکہ جب تک اپنے علاوہ دوسرے انسانوں کی خیر وفلاح کے لیے بندۂ مؤمن فکر مند نہ ہو اس وقت تک وہ خیر امت یا امت وسط کا فرد نہیں ہوسکتا۔ اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کیے گئے ضابطۂ حیات قرآن مجید میں جہاں کلمہ گو حضرات کو خیر امت کے لقب سے نوازا گیا ہے، وہیں ان کے مقصد وجود کی بھی دوٹوک انداز میں وضاحت کردی گئی ہے، فرمایا:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۔ (آل عمران: ۱۱۰) (تم بہترین گروہ ہو جسے انسانوں (کی بھلائی) کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی روشنی میں یہ بات تشنۂ وضاحت نہیں رہتی کہ امت مسلمہ کو انسانیت کے لیے منصۂ شہود پر لایا گیا ہے۔ اس کا مقام ایک قائد امّت کا ہے۔ دعوت کا کام اس امّت کا تشخص وامتیاز ہے۔ اگر یہ کام امّت بحیثیت مجموعی ترک کردے تو پھر وہ خیر امت کے مقام سے گرجاتی ہے اور اس کی شانِ انفرادیت مجروح ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف دعوت کے کام سے بے اعتنائی کا ثبوت دے کر گویا اللہ کے بندوں کا ایک عظیم الشان حق تلف کیا جاتا ہے جس کے سبب یہ امت اللہ کی بارگاہ میں قابل مواخذہ ہوگی اور وہاں محروم ومظلوم کو اس کا حق بہر حال دلایا جائے گا۔

دین اسلام کو اللہ رب العزت کی عظیم امانت کے طور سے دیکھا جائے یا امت مسلمہ کو تمام امتوں میں منفرد مقام کی حامل امت کی حیثیت سے دیکھا جائے، دونوں صورتوں میں دعوت کا کام انتہائی ناگزیر فریضہ اور عظیم الشان مشن قرار پاتا ہے۔ کسی کام کے اس سے زیادہ متبرک اور مقدس ہونے کا تصور بھی

نہیں کیا جا سکتا، اس مبارک و مسعود عمل کے ذریعہ یعنی اللہ کی طرف انسانوں کو بلا کر داعی خود اپنی تربیت بھی کرتا ہے اور مخلوق کا رشتہ خالق سے جوڑ کر انسانیت نوازی اور انسان دوستی کا اعلیٰ ثبوت بھی پیش کرتا ہے۔ امت مسلمہ کا ہر ہر فرد حسب استعداد اس کار عظیم کا مکلّف ہے، بلکہ قرآنی القاب وعنایات مشروط ہیں اس امر سے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے انسانیت کی بھلائی کا کام کیا جائے۔ دعوت الی اللہ کی عظمت سے متعلق اللہ رب العزت کا یہ فرمان سنئے:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۔(حٰم السجدۃ:۳۳)(اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا، اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔)

آج پوری دنیا کے افراد کو دو گروہوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے، ایک داعی گروہ اور دوسرا مدعو گروہ۔ چنانچہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ دین اسلام کے علم بردار کی حیثیت داعی کی ہے اور دنیا کے سارے انسان خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اور کسی بھی خطہ ارض سے ان کا تعلق ہو، مدعو گروہ سے موسوم ہوتے ہیں۔ داعی ایک قائد اور رہبر کی حیثیت میں ہوتا ہے، اس کا رول بڑا اہم ہوتا ہے، اس لیے سب کی نگاہیں بھی اسی کی طرف مرکوز ہوتی ہیں۔

داعیانہ اوصاف وکمالات پیدا کرنے کی ضرورت اس لیے ہے تاکہ خوش اسلوبی کے ساتھ موثر اور دلنشیں انداز میں اللہ کی امانت کو اصحاب امانت تک منتقل کر دیا جائے، داعی کی شخصیت ایسی جاذب نظر اور پرکشش بن جائے کہ مدعو اس کو مرکز نظر بنائے رکھیں، اس کی جانب سے اقدام وعمل کے منتظر رہیں، اور دی گئی ہدایات اور تعلیمات کے مطابق اتباع وتقلید کو باعث شرف واعزاز سمجھیں۔ پوری دنیائے انسانیت کے لیے بالعموم اور اہل ایمان اور داعیان حق کے لیے بالخصوص اگر کوئی بے مثل سیرت اور نمونۂ عمل ہے تو وہ ہے امام الانبیاء اور خاتم المرسلین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ، جس کا اعلان اللہ رب العزت کی طرف سے یوں ہوتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيراً ۔(الاحزاب:۲۱)(درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔)

تمام انبیاء اپنے اپنے وقت کے اپنی اپنی قوم میں داعی تھے۔ لیکن آپؐ کی سیرت کا داعیانہ پہلو اس لحاظ سے بڑی عظمت کا حامل ہے کہ آپ خاتم الانبیاء تھے اور پوری دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لیے آپؐ کا داعیانہ منصب ومقام بھی عالم گیر ہے۔ جن اخلاق فاضلہ کی بنیاد پر ایک اچھی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے دراصل وہ تمام اخلاق واوصاف ایک داعی کی زندگی کی زینت بننے چاہئیں۔ اللہ کے رسولؐ

اخلاق کی انتہائی بلندیوں پر متمکن تھے۔(القلم:۴)اورام المومنین حضرت عائشہؓ کے بقول وہ قرآن مجید کی عملی تفسیر تھے۔(احمد بن حنبل: مسند احمد، ج ۶،ص ۱۸۸)

دعوت الی اللہ کے مقدس مشن کے تعلق سے آپ کی ذات مبارکہ میں چند اوصاف انتہائی نمایاں ہیں، اگر ان کی خوشہ چینی کی جائے تو یہ دعوت انتہائی سحر انگیز ثابت ہوگی، اور دلوں کی دنیا پر اپنے دیر پا نقوش واثرات چھوڑ سکے گی۔

اخلاص وللّٰہیت دراصل عبادت کی روح ہے۔اس کے بغیر بڑے سے بڑا عمل بھی بے وزن اور بے حقیقت ہوجاتا ہے بلکہ اس کی حیثیت بے جان جسم کی طرح ہوجاتی ہے۔دعوت کا یہ عظیم کام بھی رسمی ہوکر رہ جاتا ہے اور پھر اس کے اثرات ونتائج نہ ہی داعی کی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اور نہ ہی مدعو معاشرہ یا مخاطب افراد کے قلب وضمیر پر اس کے اثرات ونقوش ثبت ہوتے ہیں۔اگر اخلاص کے سرمایہ کے ساتھ داعی میدان عمل میں قدم رکھتا ہے تو اس کی منزل آسان تر ہوجاتی ہے، کیونکہ اس کے اندر جرأت و بیباکی آجاتی ہے اور مصائب وشدائد کے باوجود اس کے پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آتی، بلکہ مرضی الٰہی اور اجر آخرت کے حصول کا اشتیاق اس کے لیے مہمیز کا کام کرتا ہے۔رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ میں اخلاص کا جوہر تاباں ہر مشاہد ومخاطب کو دعوت ملاحظہ دیتا ہے۔آپؐ مخاطب معاشرہ کے سامنے دعوت کے تقدس اور مخاطبین کے شکوک وشبہات کا رفع وازالہ کرتے ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کی تلقین ہوتی ہے:

قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْعَالَمِيْنَ ۔(الانعام:۹۰)(آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس دعوت پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔یہ قرآن تو جہاں والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔)

سیرت طیبہ کا یہ پہلو ایک داعی کے لیے بہترین تحفہ ہے۔سچ تو یہ ہے کہ اگر مخاطب یا مدعو کو داعی کے بے غرض و بےلوث ہونے کا یقین ہوجائے اور اسے اپنا ہمدرد وغمگسار سمجھ لے تو داعی مدعو کے دل پر حکمرانی کرتا ہے اور غیر متوقع طریقے سے خوشگوار اثرات ونتائج کا روح پرور منظر بھی اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔

دین کے ایک عظیم امانت ہونے کا شعور اور مخاطب کو خدائی امانت کے بعینہٖ پہنچادینے کی یقین دہانی انبیائی دعوتوں میں کم وبیش مشترک اصول کے طور پر نظر آتی ہے، لیکن سیرت طیبہ میں یہ پہلو انتہائی درخشاں نظر آتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے داعیٔ اعظمؐ کے اس پہلو پر سند ملتی ہے۔فرمایا جاتا ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۔(النجم:۳-۴)(اور وہ خواہش نفسانی سے نہیں بولتے ہیں۔وہ(آپؐ کا ارشاد) تو ایک وحی ہے جو (ان پر) کی جاتی ہے۔)

ایک جگہ اللہ رب العزت کی جانب سے آپ کو یہ تاکیدی حکم ملتا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۔(المائدہ:۶۷) (اے نبی جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے آپ اسے

پہنچادیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔)

ایک جگہ رب العالمین آپ کو تلقین فرماتے ہیں کہ آپ مخاطبین کے سامنے اپنی پوزیشن بتادیجیے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں اور جو کچھ کہتا ہوں وہ خانہ ساز یا من گھڑت نہیں ہے اور یہ سب تمہارے فائدے کے لیے ہے کیونکہ اس سے تمہارا رشتہ اس معبود حقیقی سے جڑے گا جو تمھیں اس زندگی کے بعد ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں ابدی اور سرمدی کامیابی عنایت فرمائے گا۔ امانت کو بے کم و کاست مخاطب تک پہنچانے سے متعلق ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں جس میں رسول اکرمؐ کی عظمت ناطق نظر آتی ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ۔(الکہف:۱۱۰) (آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں مجھ پر یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔)

سیرت پاک کا یہ پہلو اور اس سے متعلق فرمواتِ ربانی داعیانِ دین کے لیے صاف و شفاف آئینہ ہیں جن میں داعی اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے اور کار دعوت کی کمیوں اور کوتاہیوں سے مطلع ہو کر دعوت کو کارگر اور موثر بنا سکتا ہے۔ کسی قسم کے تعصب و جانبداری، ذاتی اور گروہی مفاد کے بندھن اور مسلک و مکتب فکر کے حصار کو توڑ کر قرآن وسنت کی روشنی میں حکمت کے ساتھ دعوت کا فریضہ انجام دیا جائے، یہاں تک کہ مخاطب کو یہ یقین ہو جائے کہ دین کی امانت ہم تک بے کم و کاست منتقل ہو رہی ہے اور داعی امانت کا حق ادا کر رہا ہے، تو یہ عظیم الشان ذمہ داری اپنے اثرات ونتائج چھوڑے بغیر نہیں رہے گی۔

داعیانہ اضطراب و بے چینی وہ اہم محرک ہے جو مدعو کے دل و دماغ کو دعوت اور داعی کے قریب کر دیتا ہے، رسول اکرمؐ کی ترسٹھ سالہ زندگی کا ہر روز نامچہ مدعو کے تئیں اضطراب و بے چینی کا غماز ہے۔ ہمدردی وغم گساری، شفقت و محبت، نرمی و رأفت اور انسانیت نوازی و بشر دوستی کی نادر تعبیر آپ کے داعیانہ اضطراب میں نظر آتی ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات مدعو قوم کے تئیں آپؐ کے اضطراب کو واشگاف کرتی ہیں (بطور مثال، ملاحظہ فرمائیں: الشعراء:۳، القصص:۵۶، فاطر:۸)۔ یہ آیت کریمہ بطور مثال ملاحظہ ہو:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا۔ (الکہف:۶) (پس شاید کہ ان کے پیچھے مارے افسوس کے آپ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنے والے ہیں، اگر وہ ایمان نہیں لائے۔)

چونکہ داعیٔ اعظمؐ نذیر و بشیر تھے اس لیے آپ کی امت کو بھی داعیانہ ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اپنے نذیر و بشیر ہونے کا مقام متحضر رکھنا چاہیے۔ یقیناً ہدایت کے راستے پر چلا دینے کی ذمہ داری رسول اللہؐ پر نہیں تھی اور نہ ہی یہ ذمہ داری امت کو سونپی گئی ہے۔ لیکن آپؐ کی ذات اسوہ ہے۔ داعیانہ زندگی میں مدعو یا مخاطب کے انجام بد کی بابت جو آپ کے دل میں کسک وقلق، اضطراب و بے قراری اور محبت و دلسوزی ہے ان اوصاف کی خوشہ چینی کے بغیر داعی فائز المرام نہیں ہو سکتا اور دعوت صالحہ اپنی عظمت کے

باوجود اس کے دل میں گھر نہیں کرسکتی۔

مخاطب معاشرہ کے سامنے اپنے آپ کو کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں پیش کرنا بڑی جرأت وہمت کا کام ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہؐ نے مخالفین ومعاندین کے سامنے اپنی پوری زندگی کو بطور حجت صاف و شفاف کردار والے قائد کی حیثیت سے پیش کیا۔ کتاب اللہ صاحب کتابؐ کی اس حجت کو یوں پیش کرتی ہے:

قُل لَّوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلاَ أَدْرَاكُم بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً مِّن قَبْلِهِ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ ۔(یونس:۱۶) (آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ میں اس (کلام کو پڑھ کر) سناتا اور نہ وہ اس کی تم کو اطلاع دیتا، کیونکہ اس سے پہلے بھی ایک (بڑے حصہ) عمر تک میں تم میں رہ چکا ہوں، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔)

داعیِ حق کو اس اسوۂ رسول کی روشنی میں یہ پیغام ملتا ہے کہ قول وعمل میں تطابق، صدق ووفا شعاری، پاس عہد وامانت، حق گوئی وبے باکی اور مواساۃ وہمدردی کے اوصاف سے اپنی زندگی کو مزین وآراستہ کرے، یہاں تک کہ اپنے آپ کو مخاطب کے سامنے کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں پیش کرکے دعوت صالحہ اور اپنی شخصیت کی صداقت کے تئیں خود مخاطب سے سند حاصل کرے۔ بھاری بھرکم الفاظ، سحر انگیز قوت گویائی اور لچھے دار گفتگو سے کسی کو دعوت کا گرویدہ نہیں بنایا جاسکتا بلکہ بسا اوقات ایسے داعیان حق مدعوئین کے گریز وتنفر کا سبب بن جاتے ہیں۔

امت مسلمہ امت دعوت ہے اور اس کی شناخت اس میں مضمر ہے کہ دعوت کے کار عظیم کو اپنا مشن بنائے جب ہی داعیٔ امّت کی حیثیت سے اس کا وجود معتبر ومسلم ہوسکتا ہے اور دوسری طرف عابد ومعبود اور خالق ومخلوق کے رشتے کو اس مقدس فریضے کے ذریعہ مضبوط ومستحکم کیا جاسکتا ہے اور اس طرح عظیم ترین حقوق العباد کی ادائیگی بھی ہوجاتی ہے۔ اس عظیم المرتبت کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے داعیانہ کردار کی افزائش ناگزیر ہے۔ اخلاص وللّٰہیت، کار دعوت کے امانت ہونے کا استحضار، مدعوئین کے مشاغل ومصروفیات کے انجام بد پر اضطراب وبے چینی نیز ان کی خیر خواہی میں مثل سیماب بن جانا اور اپنی کتاب زندگی کو مخاطب فرد یا معاشرہ کے سامنے اپنی دعوت کی صداقت میں بطور دلیل پیش کرنا، یہ وہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ ہیں جو نبی کریمؐ کی حیات طیبہ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں، اور انہی نقوش پر چلتے ہوئے ایک داعی اس انقلابی کردار کا حامل بن جاتا ہے جس سے قبول حق کے پہلو سے سنگلاخ زمین کو لالہ زار میں بدلا جاسکتا ہے اور دلوں کی دنیا پر فتح وتسخیر کی کمندیں ڈالی جاسکتی ہیں۔

● **عبدالبراثری فلاحی**، ناظم اعلیٰ فیروس ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، ممبئی

''کیوں'' کے سلسلے میں تین باتیں سمجھنا کافی ہے:

(الف) امت کی تشکیل ہی اسی غرض سے ہوئی ہے جیسا کہ ''اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر'' سے واضح ہے، چنانچہ تشکیل کے مقصد کو پورا کرنے پر ہی اس کی بقا وترقی منحصر ہے، اس لیے اس محاذ پر توجہ ضروری ہے۔

(ب) ارشاد رسولؐ ''خیر الناس من ینفع الناس'' کا مصداق بننے کے لیے داعیانہ کردار کی بازیافت لازم ہے، کیونکہ شرک وکفر سے نجات دلانے سے زیادہ بڑی خیرخواہی کوئی اور نہیں ہوسکتی۔

(ج) انسانیت کو اس وقت سب سے زیادہ امن وسکون کی تلاش ہے، اور مختلف نظریات کی ناکامی کے بعد وہ راہ ہدایت کی متلاشی ہے۔ اس خلا کو پر کرنا وقت کا سب سے اہم تقاضا ہے۔

''کیسے'' کے سلسلے میں ناچیز کو درج ذیل امور زیادہ قابل توجہ محسوس ہوتے ہیں:

(۱) قرآن کے ذریعہ دعوت اور صرف قرآنی تعلیمات کی طرف دعوت کا اہتمام کیا جائے، مخصوص نقطہ ہائے نظر اور مخصوص افکار وخیالات سے گریز کیا جائے۔

(۲) مختلف حصاروں سے نکال کر امت کو امت واحدۃ بنایا جائے، اور اس کا صرف ایک یہی مشن ہو، بقیہ محاذوں کی حیثیت فروعی ہو نہ کہ اساسی۔

(۳) وسیع پیمانے پر قرآن اور اس کا پیغام عام کرنے کے لیے ہر ایک کو اس کی زبان سکھانے کا نظام قائم کیا جائے یا ہر ایک تک ترجمہ پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔ عالمی سطح پر ہزاروں زبانوں میں سے صرف سیکڑوں زبانوں ہی میں ابھی ترجمۂ قرآن مہیا ہے۔

(۴) اسلام کی برتری ثابت کرنے کے لیے اسلام اور دیگر مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا رجحان بڑھایا جائے اور اس پر انتہائی تحقیقی اور وسیع الاطراف مطالعہ پیش کیا جائے۔

(۵) عصری تحقیقات، عصری اسلوب، اور عصری مسائل کے تناظر میں اسلامی تعلیمات کی افادیت کو اجاگر کرنے پر توجہ دی جائے۔

(۶) نومسلموں کو امت مسلمہ کے اندر جذب کرنے کا رجحان پیدا کیا جائے۔ اب بھی اس سلسلے میں تحفظات کی فضا پائی جاتی ہے جسے ختم کرنا ضروری ہے، بالخصوص برصغیر کے تناظر میں یہ مسئلہ زیادہ حساس اور نازک ہے۔

(۷) دعاۃ اور مردانِ کار کی تیاری کا مستقل نظم بنایا جائے، تاکہ اس سلسلے کو تسلسل اور استحکام کے ساتھ آگے بڑھایا جاسکے۔

(۸) پہلے قیادت اور مفکرین تک اپروچ کرنا چاہیے کیونکہ وہ راہ راست پر آئے تو بہتوں کو راہ راست پر لانے کا سبب بن سکتے ہیں، غالبًا اسی لیے عمومًا انبیاء کی دعوت میں ''ملأ قوم'' کو خطاب کرنے کا سراغ ملتا ہے، جبکہ ہمارے یہاں عمومًا دعوت کا کام عوامی سطح پر پایا جاتا ہے اور اعلیٰ سطح نظر انداز ہے۔

(۹) اس انتظار کی ضرورت نہیں کہ کوئی گروپ بنے تو یہ کام انجام دیا جائے بلکہ ہر فرد اس کا جواب دہ ہے لہٰذا ہر ایک کو اپنی سطح پر کوشش شروع کر دینی چاہیے اور کرتے رہنا چاہیے۔
(۱۰) اخلاص شرطِ اولین ہے اس نام پر مفاد پرستیاں بھی جنم لے رہی ہے، ایسے لوگوں کی شناخت اوران کا ازالہ بھی ضروری ہے۔

● **محمد سموئیل فلاحی**، حال مقیم کویت، ای میل:
abuahsanfalahi@gmail.com

نبی کریمؐ کی بعثت کے بعد اب قیامت تک کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے، اور آپؐ کے اس دنیا میں آنے کے بعد پچھلی تمام شریعتوں کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دیا ہے۔ اب اس کے بعد ہم مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مشن جو نبیؐ اور آپ کے برگزیدہ صحابہؓ نے ہمارے حوالے کیا ہے اس کو کما حقہ آگے بڑھائیں، کیونکہ ارشاد نبوی ہے: ''ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما ان تمسکتم بھما، کتاب الله وسنتی'' (میں نے تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، اگر تم نے ان کو پکڑے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت ہے۔) حقیقت بھی یہی ہے کہ ہماری زندگی کا معیار صرف اور صرف کتاب اللہ اور سیرتِ رسول ہونی چاہیے اور اس کے بعد کتاب الٰہی اور سنت رسول کو سمجھنے اور ان کا حق ادا کرنے والی پہلی جماعت صحابہ کرامؓ کا عمل اور اسوہ ہماری زندگی کے لیے مشعل راہ ہونا چاہیے۔

قرآن کریم میں اس امت کو خیر امت کہہ کر پکارا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ''کنتم خیر امة اخرجت للناس، تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر''۔ اس خیر امت ہونے کا تقاضا ہے کہ جو ذمہ داری نبیؐ، ان کے صحابہ کرامؓ اور ہمارے اسلاف نے ہم پر ڈالی ہے اس کا ہم دیانت داری کے ساتھ پوری طرح حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: ولتکن منکم أمة یدعون الی الخیر، و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئك ھم المفلحون ۔ گویا ہماری کامیابی کا راز ہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں پوشیدہ ہے۔ اس طرح ہر مسلمان ایک داعی ہے اور اس کے قول وفعل، رہن سہن، غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ میں یہ مشن جاری وساری رہنا چاہیے۔ اس کے لیے کوئی ضروری نہیں کہ ہم فارغ البال ہوں، یا ہمارے پاس وافر مقدار میں ذرائع اور وقت ہوں، بلکہ اس کے برعکس ہمیں اس فریضہ کو اپنی زندگی میں ہر وقت جاری وساری رکھنا ہوگا۔ بس شرط یہ ہے کہ نیت اللہ کی رضا کے حصول کی ہونی چاہیے، تا کہ ہمارا ہر قول وفعل ایک عبادت بن جائے۔

آج ہم اگر اپنے آپ کا جائزہ لیں، اپنے روزمرہ کے معمول پر ایک نگاہ ڈالیں تو ہمیں پتہ چلے گا

کہ آج ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہماری اس پستی اور زوال کا اصل سبب کیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسنة لمن کان یرجو الله والیوم الآخر وذکر الله کثیرا۔ کہنے کو تو آج سنت نبوی کی اتباع کی تبلیغ وتلقین بہت ہو رہی ہے لیکن افسوس آج کے دور میں ہم مسلمان جو کہ اس سنت کو زندہ رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، خود ہی اپنی زندگیوں میں اسے بڑی حد تک ترک کیے ہوئے ہیں۔ دور اول کے مسلمانوں کو دیکھئے، تاریخ کی کتابوں میں ان کی زندگی کا مطالعہ کیجئے تو پتہ چلے گا کہ وہ جہاں کہیں بھی رہتے تھے ایک داعی بن کر رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بڑے پیمانے پر اسلام کی ترویج ممکن ہو سکی، کیونکہ جن لوگوں سے وہ مخاطب ہوتے تھے، ان پر ان کی عملی زندگی کا پہلے سے ہی ایک خاطر خواہ اثر ہوتا تھا۔

اللہ کے رسولؐ کی زندگی ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی میں پوری توجہ کے ساتھ اس پر عمل کریں۔ صحابہ کرامؓ کی جانثاری اور ان کے اخلاق وکردار کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں تا کہ ہماری زندگی بھی اس کے مطابق تبدیل ہو سکے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے: قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله و یغفرلکم ذنوبکم۔ (اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو مری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا۔) رب کائنات کے بے شمار احسانات سے کون انکار کر سکتا ہے، اگر ہم اللہ کے احسانات اور اس کی نعمتوں کا ذکر کریں تو ہماری زبان اور قلم اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:و ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها ''۔(النحل:۱۸) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت خود قرآن مجید ہے جو اپنے آپ میں ایک بہت بڑا معجزہ ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اس نعمت کی قدر کریں۔ اس کتاب میں جو احکام وقوانین بیان کیے گئے ہیں ان پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں تک بھی اس کو پوری ایمانداری اور اخلاص کے ساتھ پہنچانے کی کوشش کریں۔

اب گر ہم پوری ایمانداری سے اپنی زندگی کا، اور اپنے معاشرے کا، جس کا ہم حصہ ہیں، جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ یہ امت دھیرے دھیرے زوال کا شکار ہوتی چلی گئی ہے، اور حال یہ ہو گیا ہے کہ مادیت پرستی نے اس کو خود اس کی ذات میں گم کر دیا ہے۔ آج پورے عالم اسلام پر ایک نگاہ ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ اسی مادیت پرستی نے آج مسلم امت بالخصوص مسلم ممالک اور ان کے نام نہاد حکمرانوں کو مغرب کا غلام بنا دیا ہے۔ ان کے یہاں ریشہ دوانیاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ نعوذ باللہ ایسا لگتا ہے کہ ہماری بقا اور سلامتی کے وہی ضامن ہیں، ایسا اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ ہم نے نبیؐ اور ان کے صحابہ کرامؓ کے اسوۂ مبارکہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، قرآن حکیم جیسی نعمت جو کہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے، اس کو دھیرے دھیرے فراموش کرتے جا رہے ہیں، جبکہ نبیؐ کا واضح ارشاد ہے کہ ''میں نے تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، تم جب تک ان کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور میری سنت۔''

اس امت کے مسائل کا حل یہ ہے کہ وہ پھر سے میدان دعوت سنبھال لے اور اسلام کا پیغام عام کرنے میں لگ جائے، اس داعیانہ کردار کو کیسے بحال کیا جائے، اس کی بحالی کیسے ممکن ہوگی، امت کے درمیان اس شعور کو کیسے عام کیا جائے کہ وہ انبیائی مشن کے لیے کام کرنے والی ایک داعی امت ہے، جسے قرآن میں خیر امت کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس پر آج ہم سب کو مل بیٹھ کر غور کرنا ہوگا اور جہاں تک ہو سکے اپنی کمیوں اور کوتاہیوں کو دور کرتے ہوئے ایک خیر امت کا کردار نبھانا ہوگا۔

ہماری ترقی اور کامیابی کا زینہ صرف اور صرف خیر القرون کے انداز میں دین کو سمجھنے اور ماننے میں ہے، جس میں جملہ اعمال اور احکام کو اور زندگی کے تمام شعبہ جات کو وہی مقام دیا جائے جو صحابہ کرامؓ نے دیا تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ کام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید، سیرت نبوی اور اسوۂ صحابہ کا مطالعہ کرنے اور پھر اپنی زندگی میں پورے اخلاص کے ساتھ ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

● **فہیم الدین فلاحی**، اقرا اردو اسکول۔ رجنی، جالنہ، مہاراشٹر

اسلام بندوں کے نام خدائے واحد کا آخری پیغام ہے۔ اس پیغام کی من وعن ترسیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ اور صالح بندوں کا انتخاب کیا۔ وحی کے ذریعہ انہیں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی۔ حضرت آدم سے اس سلسلہ کا آغاز کیا، اور آخری نبی حضرت محمدؐ پر یہ سلسلہ نبوت مکمل کر دیا گیا۔ دعوت الی اللہ کا فریضہ اس روئے زمین پر کبھی ساکت وغیر متحرک نہیں رہا۔ ہر دور میں بندگی رب کی صدا گونجتی رہی۔ باطل نظام کے خلاف معرکہ آرائی اولوالعزمی اور ثابت قدمی کے ساتھ جاری رہی۔ غار حرا کی تنہائیاں اقرأ کی صدا سے گونج اٹھیں۔ آپؐ نے اس پیغام کے ذریعے انسانی معاشرے کو پکارا؛ یاایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا۔ مشرکین مکہ جو مختلف جرائم اور آلودگی میں ملوث تھے، ان کے کانوں سے جب یہ آواز ٹکرائی تو وہ فکرمند اور مضطرب ہو گئے کیونکہ ان کے فکر ونظر نے ایک نئے نظریئے پر مبنی انقلاب کی آہٹ محسوس کر لی۔ نتیجہ میں ابتلا وآزمائش کے ایک دور کا آغاز ہوا۔ آپؐ نے صبر وضبط، حکمت وشجاعت کی بے نظیر مثالیں پیش کیں، اور دعوت دین کے کاز کو بتدریج آگے بڑھاتے رہے۔ آپ کی بالغ النظری، صاف ستھرے کردار، اور انسانیت سے متعلق درد وکرب نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔ ابتدائے اسلام میں جن خوبیوں اور جواہر سے آراستہ وپیراستہ جمعیت کی آپ کو ضرورت تھی، اُسی طرح کے افراد حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے، جو اخلاص اور قربانی، شجاعت اور ثبات جیسی انمول صفات سے متصف تھے۔ ایسے ہی جواہر پاروں کی آپ کو ضرورت تھی جو اس دین ودعوت کو قبول کر لیں، اس مشن کو اپنے سینے سے لگا لیں، پھر تن من دھن سے تاعمر اس کی تکمیل میں لگے رہیں، جو کبھی حالات سے سمجھوتہ

نہ کریں، ہر درد والم کو ہنستے کھیلتے برداشت کرلیں، اور لالچ پر مبنی پیش کشوں کو کبھی خاطر میں نہ لائیں، دعوت دین اور غلبہ دین کے لیے وقت کے ظالم اور جابر فرمانرواؤں کو للکارنے کے لیے تیار رہیں، اور تحریک اسلامی کو کامیابی کے مرحلے تک پہنچانے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیں۔

یہ امت امت دعوت ہے: سورہ آل عمران آیت ۱۱۰ر میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''دنیا میں تم بہترین امت ہو جسے انسانوں کے لیے برپا کیا گیا، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔ امت مسلمہ کے سر اللہ حکیم وخبیر نے خیر امت کا جو تاج رکھا ہے، وہ کچھ ذمہ داریوں اور فرائض کی ادائیگی کے طفیل میں ہے۔ آیت پر غور وفکر کرنے سے وہ عوامل آشکار ہوجاتے ہیں جو خیر امت کی صفات میں شامل کئے گئے۔ آیت کا پہلا جز ملت اسلامیہ کی آفاقیت، اور عالمگیریت کی وضاحت کرتا ہے کہ تمہارا دائرہ کار سارا انسانی سماج ہے۔ آیت کا دوسرا جز ملت اسلامیہ کی حیثیت متعین کرتا ہے کہ یہ وہ گروہ ہے جو نیکی کا حکم دیتا ہے، حکم وہ گروہ اور جمعیت دیتی ہے، جس کے پاس طاقت اور قوت ہوتی ہے، چاہے وہ علم کی طاقت ہو، یا معاش کی، عمل کی ہو یا اخلاق کی، مادی طاقت ہو یا سائنس اور ٹکنالوجی کی۔ مظلوم اور محکوم علم اور عمل سے عاری قومیں حکم نہیں دیتیں، بلکہ ان پر احکامات کا نفاذ ہوتا ہے۔ آیت کا تیسرا جز واس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ خیر امت ہونے کے ناطے امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بدی اور منکرات سے انسانیت کو روکے، روکتا وہ ہے جس کے بازو میں زور ہو، جس کی دعوت میں اثر وحکمت ہو، اور قول وعمل میں یکسانیت پائی جاتی ہو۔ قرآن مجید کی پہلی آیت قرآن مجید کا پہلا معجزہ ہے، جس کے ذریعہ آپؐ پر پیغام ربانی کے سلسلے کا آغاز ہوا۔ مکی معاشرے کی ضرورتیں اور تقاضے کچھ اور تھے، جس طرح کے مسائل اور عقائد کی پیچیدگیوں میں یہ معاشرہ ملوث تھا، اس پر یہ حکم نازل کرنے کی بجائے کہ شراب چھوڑ دو، حقوق کی پاسداری کرو، قتل وخون سے باز آجاؤ، اللہ علیم وحکیم نے یہ حکم دیا کہ پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے حکم دیا۔ گویا یہ اس بات کا اعلان تھا کہ آنے والا دور علم اور تعلیم کا دور ہوگا۔ دنیا کی امامت وقیادت اسی انسانی گروہ کا مقدر ہوگی، جو علم سے لیس ہوں گے، انسانوں کے عقائد اور قلوب کی تطہیر کا موثر اور کارگر ذریعہ قرآن مجید نے علم ہی کو قرار دیا ہے، جس کے ذریعہ باطل نظام زندگی پر کھاری ضرب پڑے گی، اور وہ پاش پاش ہوجائے گا۔ آپؐ کے سایہ عاطفت میں ایسے پاکیزہ نفوس پروان چڑھے جنہوں نے علم سے محبت کی، قرآن پر غور وفکر کرتے رہے، اور اس بحر بیکراں سے انمول موتی رشد وہدایت کی شکل میں دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کرتے رہے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کے متعلق اہل عرب کا یہ گمان تھا کہ ان میں اتنی صلاحیت اور خوبی بھی نہیں ہے کہ یہ ڈھنگ سے گدھے بھی چرا سکیں، لیکن یہ قرآن مجید کا معجزہ تھا، کہ انہوں نے رازِ حیات کو پالیا، اور پوری دنیائے انسانیت کو تہذیب وتمدن کا درس دیا۔

عصر حاضر اور ملت اسلامیہ: ملت اسلامیہ کی عمومی صورتحال باعث ندامت ہے، ہر محاذ اور میدان

میں پسماندگی اور ذلت اس کا محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''جب یہ امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا چھوڑ دے گی، اس وقت یہ وحی الٰہی کی برکت سے محروم ہو جائے گی''۔ اس محرومی کے اثرات کی زد میں انسانوں کا وہ جم غفیر بھی ہے جو اپنے خالق، مالک اور اپنے مقصد زندگی سے نا آشنا، عقائد کے اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے، جو مادیت اور بت پرستی سے بے زار ہے، جو اس حق اور صراط مستقیم کا متلاشی ہے، جس کی امین یہ امت ہے۔ جس کے سینے میں یہ راز حیات پنہاں ہے۔ یقیناً مسلمانوں کا عروج اور کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کا راز دعوتی سرگرمیوں میں پوشیدہ ہے۔ مسلمان اپنے مقام اور مرتبے کو سمجھیں، دعوت دین کے وسیع تصور کو مدنظر رکھیں، قرآن مجید سے والہانہ محبت ہو، جو ہدایت اور رہنمائی اور قوت وطاقت کا منبع ہے۔ علم کے دامن کو اپنے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ دیں۔ انبیائی مشن کے مرکزی نکتے اور محور کا تدارک کریں، اور علم وعمل کے تضاد سے مبرا داعیانہ کردار پیش کریں۔ ایسا کردار جس میں سوز واخلاص ہو، حسن عمل اور حسن کردار ہو، تا کہ یہ باطل طاقتیں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق جو نفرتیں، عصبیتیں اور غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہیں ان کا ازالہ ہو۔ معصوم اور صاف ستھرے ذہن باطل کے اس پروپیگنڈے سے مسموم ہونے سے مامون ومحفوظ رہیں، اور دین اسلام اللہ کے بندوں تک اپنی جزئیات وکلیات کے ساتھ واضح ہو جائے۔ اور دنیا وآخرت کی سرخروئی ملت اسلامیہ کا مقدر ہو۔

موجودہ حالات دعوت دین کے لیے سازگار ہیں، ہندوستان کی سرزمین اس کاز کے لیے نہایت ہی زرخیز ہے، اب وہ ابتلاء وآزمائش نہیں جس کا سامنا ہمارے اسلاف نے کیا، بلکہ لوگ منتظر ہیں پیغام حق کو سننے کے لیے، موجودہ ترسیل کے وسائل نے اس کام کو اور زیادہ آسان کر دیا ہے۔ دنیا میں اب جو انقلاب برپا ہوگا وہ نظریاتی ہوگا، وہ ازم اور نظام زندگی جنہوں نے دنیا کے بڑے حصے کو متاثر کیا تھا، اور سسکتی بلکتی انسانیت نے اس سے امن وانصاف کی امیدیں باندھی تھیں، ایک مختصر عرصے کے بعد وہ ان سے مایوس ہوگئی۔ کیونکہ جتنی تیز رفتاری کے ساتھ یہ انقلابات برپا ہوئے، اتنی ہی تیزی سے زوال پذیر ہو گئے۔

دنیا میں اگر کوئی ٹھوس نظریہ ہے جس میں استحکام اور پائیداری بھی ہو، جو انسانیت کو امن اور روحانی سکون دے سکے، عدل وقسط پر مبنی سماج قائم کر سکے، تو وہ اسلام ہی ہے۔ اسلام دشمن قوتیں اور باطل نظام حکومت کے محافظین اچھی طرح اس نظریے کی طاقت کا اندازہ لگا چکے ہیں۔ اسی لیے میڈیا کے ذریعہ اور علماء سوء کے ذریعہ اسلام اور تحریکات اسلامی کو مختلف لیبل چاہے وہ دہشت گردی کا ہو، یا قدامت پرستی کا، لگا کر بدنام کرنے کی مذموم حرکتیں جاری ہیں۔ تا کہ انسانیت دین اسلام سے متنفر ہو، لیکن اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھائیں، لیکن اللہ اپنے نور کو ضرور پورا کرے گا''، بشرطیکہ امت اپنے فرض منصبی کو سمجھے۔ حکمت کے ساتھ حالات کا تدارک کرے، اور مطلوبہ داعیانہ کردار پیش کرے۔

● **محمد صادق ظلی فلاحی**، حال مقیم سعودی عرب۔ ای میل:
misterazmill@gmail.com

امت اسلامیہ کی تشکیل کے ساتھ ہی نبوت اور رسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا کہ اب کارِ نبوت کو آگے بڑھانے اور نوع انسانی کو پیغام ربانی سے روشناس کرانے کی ذمہ داری نبی خاتمؐ کے ذریعہ تشکیل کردہ امت اسلامیہ پر عائد ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں امت اسلامیہ کو خیر امت کہا گیا ہے، اور اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ ''تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ''۔

امت اسلامیہ ایک داعی امت ہے۔ دینِ خدا کو بندگانِ خدا تک پہنچانے اور انھیں کفر وشرک اور ضلالت وگمراہی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر روشنی اور صراط مستقیم کی طرف لانے کی ذمہ داری امت اسلامیہ کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ حاملین قرآن وسنت کا فریضۂ منصبی ہے کہ وہ چراغ دین پیہم جلائے رکھیں تا کہ ظلمت کے اندھیاروں میں بھٹک رہی مخلوقِ خدا اس سے مستفید ہوکر کاروانِ حرم کا حصہ بن جائے۔ ہمیں یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ دعوت الی الخیر ہی امت کا مقصد وجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولتکن منکم أمة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئك ھم المفلحون۔ (آل عمران:۱۰۴) مفسرین کے صحیح قول کے مطابق من یہاں بیان اور وضاحت کے لیے ہے، یعنی دعوتِ دین فرض کفایہ نہیں، بلکہ فرض عین ہے۔ ملت کے ہر فرد کو اپنی طاقت اور استطاعت کے بقدر یہ کام انجام دینا ہے۔ ساتھ ہی سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۲/ سے پتہ چلتا ہے کہ وارثین انبیاء یعنی علماءِ امت کی ذمہ داری معاشرے کے ایک عام فرد سے کہیں زیادہ ہے۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے بھی دعوت الی اللہ کا واجب اور فرض ہونا ثابت ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن۔ (سورۃ النحل:۱۲۵)

وادع الی ربك ولا تکونن من المشرکین۔ (سورۃ القصص:۸۷)

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرة أنا ومن اتبعنی۔ (یوسف:۱۰۸)

و من احسن قولا ممن دعا الی اللہ و عمل صالحاً و قال اننی مسلمین۔ (فصلت:۲۳)

دعوت کی اہمیت اور فرضیت کے تعلق سے فرامین رسولؐ پر بھی ہماری نظر رہنی چاہیے، آپؐ نے فرمایا کہ

بلغوا عنی ولو آیة۔ (البخاری ۶/۴۹۶)

فلیبلغ الشاھد الغائب فرب مبلغ اوعی من سامع۔ (البخاری:۳/۵۷۳)

دور اول کے مسلمانوں کو دعوت کی اہمیت وفضیلت اور فرضیت کا بھرپور ادراک واحساس تھا۔ رسول اللہؐ کی بے پناہ دعوتی تڑپ اور سارے انسانوں کے ہدایت پا جانے کی شدید خواہش ہمیشہ دور اول کے مسلمانوں کے پیش نظر رہتی تھی۔ ان کی اولین خصوصیت تھی کہ وہ جہاں کہیں بھی رہتے تھے ایک داعی

بن کر رہتے تھے۔ مدعو کے دکھ سکھ میں برابر شریک ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق کریمانہ سے ان کا دل جیتنے کی کوشش بھی کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سماج میں ان کا ایک اثر ہوتا تھا اور لوگ ان کی دعوتی مساعی کے نتیجے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوجایا کرتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں میں یہ جذبہ ماند پڑتا گیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب کارِ دعوت کو مکمل طور سے فراموش کردیا گیا۔ دعوت دین اور اشاعت دین کی ان کے یہاں کوئی خاص جگہ نہیں رہ گئی۔

آج جبکہ لادینیت، شرک و بت پرستی اور بدعقیدگی کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، منکرات، بے راہ روی اور فحاشیت کا ہر چہار جانب بول بالا ہے، ایسے وقت میں جبکہ دعوت کی ضرورت کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے، سچ یہ ہے کہ معدودے چند افراد کو چھوڑ کر کسی کو بھی اس کا احساس نہیں ہے، جس کا نتیجہ ذلت ونکبت اور خواری کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

امت اسلامیہ اگر عروج کا سفر طے کرنا چاہتی ہے اور اپنے بہت سے مسائل کا حل چاہتی ہے تو اسے پھر سے میدان دعوت سنبھالنا ہوگا اور اسلام کا پیغام عام کرنے میں جی جان سے لگنا ہوگا۔ بندگان خدا کو آگ میں گرنے سے بچانے کے لیے اپنے دل میں وہی تڑپ پیدا کرنی ہوگی، جو نبیؐ کے یہاں پائی جاتی تھی۔ مدعو قوم کو اپنا حریف اور فریق سمجھنے کے بجائے دل میں ان کے تعلق سے ہمدردی پیدا کرنی ہوگی۔ انھیں اپنا بھائی سمجھنا ہوگا اور ان کی غلط حرکتوں کو طائف جیسے واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے نظر انداز کرنا ہوگا، اور ان کے حق میں بددعا کرنے کے بجائے خدا سے پرامید رہنا ہوگا کہ یہ نہیں تو ان کی آنے والی نسلیں ضرور اسلام قبول کریں گی۔

ملت اسلامیہ کے اندر کچھ جماعتیں ایسی بھی ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کو ہی دعوت وتبلیغ سمجھ رکھا ہے۔ بلاشبہہ مسلم معاشرے کی اصلاح بھی ضروری ہے مگر ساتھ ہی برادران وطن تک دین کی دعوت پہنچانا بھی ضروری اور لازمی ہے۔ دعوت وتبلیغ کو صرف مسلم معاشرے کی اصلاح تک محدود کردینے کو کسی بھی طور سے درست اور جائز نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

ملت کے داعیانہ کردار کی بحالی اور اس کے درمیان دعوتی شعور کو عام کرنے کے سلسلے میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

(۱) مساجد کا صحیح استعمال

(۲) دعوتی موضوعات پر اجتماعات، کانفرنسیں، خطابات اور انفرادی ملاقات

(۳) دعوتی لٹریچر اور فولڈرس کی تقسیم

(۴) تفہیمِ قرآن کی مہم یا رجوع الی القرآن کی تحریک

(۵) انگلش میڈیم اسکولوں کے لیے اسلامیات پر اچھے اور معیاری نصاب کی ترتیب

(۶) دعوۃ اکیڈمیوں کا قیام
(۷) مدارس کے نصاب کی دعوتی نقطۂ نظر سے تدوین نو

● **زید عارف فلاحی**، جامعہ ملیہ اسلامیہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو قوم داعی نہیں بنتی وہ خود کو مدعو بننے سے بچا نہیں سکتی۔ خالق کائنات نے یہ بات انسانوں کی سرشت میں ڈال رکھی ہے کہ وہ یا تو دوسروں پر اپنا اثر ڈالتے ہیں یا پھر دوسروں کا اثر قبول کرتے ہیں۔ امت مسلمہ کا داعیانہ کردار آج ہمارے درمیان موضوع گفتگو ہے، لیکن اب سے کئی سال پہلے صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کسی مسلمان سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ داعی نہ ہو، اگر ایک مسلمان کا ایمان اسے دعوتی کام کرنے پر مجبور نہ کرے تو اسے تنہائی میں اپنے ایمان پر غور کرنا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ آخر وہ کون سی چیز تھی، جو پیارے نبی کو راتوں میں جگا کر بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہو کر اپنی امت کی ہدایت کے لیے دعا کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ ایک مسلمان کو بستر پر لیٹ کر سونے سے قبل اپنے ایمان کا جائزہ لیتے ہوئے یہ سوچنا چاہئے کہ اس کے اور دور اول کے مومنین کے ایمان کے درمیان کیا بنیادی فرق واقع ہوا ہے۔ دین اسلام پھیلنے کے لیے آیا ہے اور میرے خیال سے اسے صرف اپنوں تک سمیٹ کر رکھنا ایک مجرمانہ فعل ہے ''ومن أظلم ممن كتم شهاده عنده من الله'' (البقرۃ)

یہاں امت کے داعیانہ کردار کے بارے میں بعض لوگوں کی رائے مختلف ہوسکتی ہے، اور بعض لوگ یہ کہنے کے لیے آزاد ہیں کہ چونکہ ابھی امت ایک بحران سے گزر رہی ہے اور اس کا کوئی ایک مستقل قائد نہیں ہے، لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ پہلے اپنا شیرازہ مجتمع کر کے ایک قائد کے تحت اکٹھا ہو جائیں، پھر دعوتی کام میں اپنا قدم آگے بڑھائیں۔ سننے میں یہ بات تو بڑی حسین معلوم ہوتی ہے مگر اس طرح کا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ذرا ان لوگوں کے بارے میں بھی سوچنا چاہئے جو ہمارے دعوت نہ پہنچانے کی وجہ سے زندگی بھر شرک وجہالت میں پڑے رہیں گے اور آخرت کی ابدی زندگی میں بھی انہیں ذلت وخواری نصیب ہوگی۔ علاوہ ازیں سیرت پاکؐ کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل ابتدائی زمانے میں بھی مکہ اور دیگر قریبی مقامات پر صحابہ کرامؓ کو بھیج کر لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ بطور خاص آپؐ خود حج کے موقع پر مختلف قبائل سے ملاقات کرتے اور انہیں دین کی دعوت پیش کرتے۔

میں نے بڑوں کو کہتے سنا ہے کہ امت کی ذلت وخواری کی اصل وجہ دعوتی کام کو ترک کرنا ہے، یہ دعوت امت کو متحد کرنے کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کی فکری وعلمی تربیت کا سب سے بہتر طریقہ ہے، لیکن آج امت کے نوجوان اس عمل سے بالکل غافل ہیں، جس کی وجہ سے ان کا ایمان منجمد سا ہو کر رہ گیا ہے، درحقیقت دعوت ہمارے ایمان کا امتحان بھی ہے اور ایک شخص جب تک امتحان دیتا رہتا ہے، اسے اپنے مضمون پر مہارت حاصل ہوتی جاتی ہے، مگر جوں ہی امتحان کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، وہ مذکورہ مضمون میں خود

کو کمزور محسوس کرنے لگتا ہے۔سلسلہ دراز ہونے پر وہ شخص احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے، اور یہ اسے تشخص کے بحران کی طرف لے جاتا ہے۔اس طرح سے وہ اپنی پہچان چھپانے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔موجودہ زمانے کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

●●

نوٹ: (۱) آئندہ شمارے کے لیے خصوصی کالم کا موضوع ''**میڈیا کے بڑھتے اثرات اور مدارس کی ذمہ داریاں**'' متعین کیا گیا ہے۔

(۲) اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اہل فکر ونظر اپنے افکار وخیالات اس طرح ارسال کریں کہ **۳۰/ جنوری** تک ہمیں لازماً موصول ہو جائیں۔

(۳) کوشش رہے کہ تحریر جامع اور مختصر ہو، اور حیات نو کے ۲/ **صفحات** سے زیادہ طویل نہ ہو۔

بقیہ: تیونس کا صبر آزما جمہوری سفر

ملک کی سلامتی کی خاطر النہضۃ کسی بھی سیاسی جماعت کی ہر ایک تجویز ماننے کے لئے تیار ہے، اگر قومی مفاہمت میں یہ بھی طے پائے کہ استحکام کے لئے النہضۃ اور موجودہ حکومت کو نئے انتخابات تک حکومت سے دست بردار ہونا ضروری ہے تو وہ اس کے لئے بھی تیار ہو سکتی ہے، جس کا اظہار النہضۃ کے سینئر لیڈروں اور ریپبلکن کانگریس پارٹی کے لیڈر اور تیونس کے وزیر اعظم حسن المرزوقی نے مختلف مواقع پر کیا ہے۔

تیونس میں پالیمانی انتخابات قریب آ رہے ہیں، مخالف اور متشدد سیکولر عناصر یہی چاہتے ہیں کہ النہضۃ کی موجودہ حکومت اپنی میعاد پوری نہ کر پائے تاکہ النہضۃ کی ناکامی کا ڈنڈورا پیٹ کر آئندہ آنے والے انتخابات کو اپنے حق میں کامیاب بنایا جا سکے، بعض اوقات دوسری معتدل اور موجودہ مخلوط حکومت میں شامل سیاسی جماعتیں بھی اپنے سیاسی مفادات کے خاطر النہضۃ کی دبی زبان میں مخالفت کرتی نظر آ رہی ہیں۔انہیں النہضۃ کی ملکی سطح اور عالمی سطح پر بڑھتی ہوئی مقبولیت سے اپنی امیج متأثر ہونے کا خدشہ ہے۔لیکن امید یہی ہے کہ اس قومی مفاہمت کے مثبت اور اچھے نتائج سامنے آئیں گے، مفاہمت کسی بھی مسئلہ کے بہترین حل کے لئے احسن طریقہ ہے۔تیونس کے لئے، اس کی جمہوریت کی بقا کے لئے، اور اس کی سلامتی اور روشن مستقبل کے لئے اسلام اور اسلام پسند سیاسی پارٹی النہضۃ سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، ان کی مضبوط حکمت عملی اور مدبرانہ اور ٹھوس فیصلوں سے ہی ملک کو استحکام نصیب ہو سکتا ہے اور ملک ترقی کی شاہراہ پہ گامزن ہو سکتا ہے۔

●●

اردو تراجم قرآن پر ایک تنقیدی نظر (۲)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، دارالشریعہ۔ متحدہ عرب امارات

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

تراجم قرآن کے جائزوں کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ بسا اوقات ایک غلطی شروع کے کسی مترجم سے ہوئی اور وہ آگے بھی نقل ہوتی رہی، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ابتدائی دور کے مترجمین نے غلطی نہیں کی اور وہ بعد میں در آئی۔

راقم کا مقصود غلطیوں کو نمایاں کرنا نہیں، بلکہ ترجموں کے تقابلی مطالعہ کی افادیت دکھانا ہے، اور ترجمہ کے عمل میں نظر ثانی اور اجتماعی کاوش کی اہمیت پر زور دینا ہے، کہ فقہی مسائل میں اجتماعی اجتہاد جس قدر ضروری ہے، اس سے زیادہ ضرورت ترجمہ قرآن میں اجتماعی مساعی کی ہے۔

تقابلی مطالعہ بڑی حد تک یہ تأثر بھی قائم کرتا ہے کہ بیشتر مقامات پر اگر بعض مترجمین سے کوئی چوک ہوئی ہے تو دوسرے مترجمین کے یہاں اس چوک کا تدارک کرلیا گیا ہے۔ اس مختصر مقالہ میں کچھ مثالوں کے ذریعہ مختلف نوعیت کی غلطیوں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس مضمون کی تیاری میں سب سے اہم حصہ عم محترم مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی حفظہ اللہ کے افادات کا ہے جنہیں تفہیم القرآن اور تدبر قرآن کے ریویو کے دوران نوٹ کرنے کا موقعہ ملا۔

---

(۱) لام برائے تعلیل اور لام برائے تبیین کے درمیان اشتباہ:

عربی زبان میں لام کے متعدد استعمالات ہیں، ان میں سے ایک استعمال علت کا ہے جیسے لِإِيْلَافِ قُرَيْش قریش کے مانوس کئے جانے کی وجہ سے، اسی طرح ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ فعل یا دوسرے مشتقات فعلیہ کے عمل میں زور پیدا کرنے کے لئے (معمول اور خاص طور سے) مفعول بہ پر لام کا اضافہ کردیتے ہیں، اس سے فعل اور مفعول بہ میں تعلق اور گہرا ہوکر ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر شكرتك اور نصحتك کا مطلب ہے میں نے تمہارا شکرادا کیا اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی۔ اسی کو لام کے اضافہ کے ساتھ شكرت لك (میں نے تمہارا شکریہ ادا کیا) اور نصحت لك بھی کہتے ہیں۔ مولانا امانت اللہ اصلاحی کے مطابق جب نصحت لک کہیں گے تو مطلب ہوگا: میں نے عملا تمہاری خیرخواہی کی، اور جب نصحتک کہیں گے تو ترجمہ ہوگا: میں نے تمہاری خیرخواہی کی بات کہی۔ گویا لام کے اضافے سے خود فعل کے مفہوم میں بھی اس طرح کی تبدیلیاں ہوجاتی ہیں جن سے واقفیت کے لئے عربیت کا ذوق ہونا ضروری ہے۔ اس لام کو ابن ہشام نے مغنی اللبیب میں خاص طور سے ذکر کیا ہے، اور اسے لام تبیین کا نام دیا ہے۔

قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت ہیں، مثال کے طور پر ذیل کی دو آیتیں ملاحظہ ہوں:

إِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُوْنَهُ وَلَهُ يَسْجُدُوْن۔ (الاعراف:۲۰۶)

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُوْن۔ (فصلت:۳۸)

پہلی آیت میں یسبحونہ ہے اور دوسری آیت میں یسبحون لہ ہے۔ دونوں کا مطلب ایک ہے، البتہ ایک جگہ لام کے اضافہ سے زیادہ زور پیدا ہو گیا۔

اس مقام پر مولانا امانت اللہ اصلاحی نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ تسبیح استکبار کی ضد ہے جیسا کہ مذکورہ آیتوں میں نمایاں ہے، جب بغیر لام کے ہو تو قولی تسبیح مراد ہوگی، اور لام کے ساتھ ہو تو تسبیح کے عملی مظاہر کی طرف اشارہ ہوگا، اسی لیے پہلی آیت میں عملی پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے سجود کا ذکر ہے۔

قرآن مجید میں اس اسلوب کا استعمال جگہ جگہ ملتا ہے جیسے:

(۱) فَاذْكُرُونِیْ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُواْ لِیْ وَلاَ تَكْفُرُونِ۔ (البقرۃ:۱۵۲) واضح رہے کہ شکر کے ساتھ جب لام آتا ہے تو لام اس ذات پر داخل ہوتا ہے جس کا شکریہ ادا کیا جائے اور جس امر پر شکر کیا جائے وہ بطور مفعول ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا کان سعیھم مشکورا۔ (الاسراء:۱۹) اسی طرح کہتے ہیں شکر اللہ لك سعیك۔

(۲) وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ (البقرۃ:۳۰)

(۳) وَأُمْلِیْ لَهُمْ إِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ۔ (الاعراف:۱۸۳)

یہ لام کبھی مفعول پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں ہے، اور کبھی مفعول کا تعلق جس سے ہوتا ہے اس کی ضمیر پر داخل کرتے ہیں۔ جیسے ساقطع رقبتك میں تیری گردن کاٹ دوں گا، اور ساقطع لك رقبتك میں تیری گردن کاٹ ڈالوں گا، دونوں کا مفہوم ایک ہے البتہ دوسرے جملے میں مخاطب جس کی گردن کی بات ہو رہی ہے اس کی ضمیر لا کر اس پر لام لگا دیا گیا، اور اس طرح کلام میں زور پیدا ہو گیا، یہاں لك کا مطلب تمہارے لئے اگر لیں گے تو ایک مہمل سی بات ہوگی، اس لئے کہ یہاں علت کا محل نہیں بلکہ تاکید کا محل ہے۔ البتہ ایسی صورت میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ اس لام تبیین اور لام تعلیل میں مترجمین فرق نہیں کرتے، اور جہاں لام تبیین وتاکید کے لئے ہے وہاں بھی علت کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے۔

زیر نظر اسلوب کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) یُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ (الاحزاب:۷۱)

یہاں مفعول یہ تو اعمال اور ذنوب ہیں لیکن لام تبیین مخاطب کی ضمیر پر داخل کیا ہے، کہ وہ اعمال اور وہ ذنوب اسی مخاطب سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض مترجمین جیسے فتح محمد جالندھری کا ترجمہ درست ہے:

وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

احمد رضا خاں کا ترجمہ ہے:

تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ مترجم نے پہلا لام تو علت کا مانا مگر دوسرا لام تبیین کا مان لیا۔

طاہر القادری کا ترجمہ ہے:

وہ تمہارے لئے تمہارے (سارے) اعمال درست فرما دے گا اور تمہارے گناہ تمہارے لئے بخش دے گا۔ یہاں مترجم نے دونوں کو لام تعلیل مانا ہے۔

(۲) إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً۔ (الفتح:۱)

لام تبیین کے لحاظ سے ترجمہ ہوگا:

بے شک ہم نے تم کو ایک کھلی ہوئی فتح عطا کردی۔

جن لوگوں نے لام کو علت مانا ہے وہ ترجمہ کچھ یوں کرتے ہیں:

بے شک ہم نے تمہارے لئے کھلی ہوئی فتح عطا کی۔

(۳) وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ۔ (النور:۵۵)

فتح محمد جالندھری کا ترجمہ درست ہے:

اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا۔

جبکہ سید مودودی، امین احسن اصلاحی اور دوسرے مترجمین نے لام کو برائے علت مان کر ترجمہ کیا:

اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے۔

(۴) وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي۔ (الاحقاف:۱۵)

یہاں فتح محمد جالندھری نے لام کو علت مان کر ترجمہ یوں کیا:

اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح (وتقویٰ) دے۔

جبکہ محمد جوناگڑھی نے درست ترجمہ کیا:

اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔

(۵) يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلاً۔ (طٰہٰ:۱۰۹)

عام طور سے مترجمین نے یہاں علت کا ترجمہ نہیں کیا ہے، احمد رضا خاں نے جو عام طور سے ایسے لام کا ترجمہ علت کے لحاظ سے کرتے ہیں یہاں تبیین کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے:

اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی، مگر اس کی جسے رحمٰن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی۔

جبکہ امین احسن اصلاحی نے یہاں علت کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے:

اور جس کے لئے کوئی بات کہنے کو پسند کرے۔

(۶) قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي۔ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي۔ (طٰہٰ:۲۵۔۲۶)

عرض کیا: پروردگار، میرا سینہ کھول دے، اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے۔(سید مودودی: پہلا لام تبیین، دوسرا لام تعلیل)

اس نے دعا کی اے میرے رب، میرے سینے کو میرے لئے کھول دے اور میری مہم کو آسان کر۔(امین احسن اصلاحی: پہلا لام تعلیل دوسرا لام تبیین)

کہا میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے، اور میرا کام آسان کر دے۔(فتح محمد جالندھری: دونوں لام تبیین)

عرض کی اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے، اور میرے لیے میرا کام آسان کر۔(احمد رضا خان: دونوں لام تعلیل)

(۷) أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ اور ورفعنا لك ذكرك۔ (الم نشرح)

ان دونوں آیتوں کے ترجمے میں بھی مترجمین کا ملا جلا رویہ رہا ہے۔

سرسری جائزہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عام طور سے مترجمین نے اس سلسلے میں کسی ایک استعمال کی پابندی نہیں کی، بلکہ ایک ہی مترجم بسا اوقات ایک ہی سیاق میں کہیں ایک استعمال کو اختیار کرتا ہے تو کہیں دوسرے استعمال کو۔ بہر حال صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ تمام مثالوں میں لام برائے تبیین وتوکید ہے نہ کہ برائے تعلیل۔

لام تبیین اور لام تعلیل کے درمیان اشتباہ کا امکان اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ ابن عاشور نے جو قرآنی اسالیب پر اپنے وقت کے امام مانے جاتے ہیں، دوسری کئی آیتوں میں لام تبیین کا ذکر کرتے ہوئے أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کا بار بار حوالہ دیا، اور کہا کہ جیسے وہاں لام برائے تبیین ہے ویسے ہی یہاں ہے۔ لیکن جب وہ خود أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کی تفسیر لکھنے چلے تو وہ سارے حوالے فراموش کر دیئے اور کہا کہ یہاں لام برائے تعلیل ہے۔

مذکورہ مثالوں میں لام کو برائے تبیین وتاکید مان لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترجمہ میں اس تاکید کا اظہار کیسے کیا جائے۔ مولانا امانت اللہ اصلاحی ایسی تمام مثالوں میں حسب گنجائش فعل کو تاکید کے صیغے میں استعمال کرنے کی تجویز دیتے ہیں، جیسے کیا کے بجائے کر دیا، اور کر کے بجائے کر دے۔ جیسے وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي کا ترجمہ: "اور میری مہم کو آسان کر" کے بجائے "اور میری مہم کو آسان کر دے" کیا جائے گا۔ اسی طرح يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ (الاحزاب:۷۱) میں فتح محمد جالندھری کا ترجمہ ہے: وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ جبکہ امین احسن اصلاحی کا ترجمہ ہے: اللہ تمہارے اعمال سدھارے گا اور تمہارے گناہوں کو بخشے گا۔ اول الذکر نے بجا طور پر فعل میں تاکید کا اضافہ کیا ہے۔ جبکہ موخر الذکر نے لام کی رعایت کی ہی نہیں نہ بطور تعلیل نہ بطور

تاکید۔

(۲) **لام برائے ظرف اور لام برائے تعلیل کے درمیان اشتباہ:**

لام کبھی فی کے معنی میں بھی آتا ہے، موقعہ کے لحاظ سے لام برائے ظرف اور لام برائے علت میں فرق کرنا ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر مندرجہ ذیل دو آیتیں ملاحظہ ہوں:

وَلَمَّا جَاء مُوسَى لِمِيْقَاتِنَا۔ (الاعراف:۱۴۳) اور جب موسی ہماری مقررہ مدت پر حاضر ہوا۔ (امین احسن اصلاحی)

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِيْنَ رَجُلاً لِّمِيْقَاتِنَا۔ (الاعراف:۱۵۵) اور موسی نے اپنی قوم کے ستر آدمی چنے، ہمارے وقت مقرر کے لئے۔ (امین احسن اصلاحی)

دونوں آیتوں میں میقاتنا سے پہلے لام ہے، مگر موقعہ کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ پہلی آیت میں لام بمعنی فی ہے، جبکہ دوسری آیت میں لام برائے تعلیل ہے۔ اس لام کو بعض لوگ عند کے معنی میں لے کر لام توقیت کا بھی نام دیتے ہیں۔ لام ظرف یا توقیت کے ترجمہ میں ہمیشہ میں (فی) کا آنا ضروری نہیں جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے۔

مذکورہ لام کے سلسلے میں بھی مترجمین کو کبھی کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے اور وہ لام توقیت کو لام برائے علت سمجھ کر ترجمہ کر دیتے ہیں۔ کچھ مثالیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ۔ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ (المطففین:۴-۵)

اس آیت میں بعض مترجمین نے لام کو برائے تعلیل سمجھ کر ترجمہ اس طرح کیا ہے:

کیا ان لوگوں کو گمان نہیں کہ انہیں اٹھنا ہے، ایک عظمت والے دن کے لیے (احمد رضا خان)

کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں اس عظیم دن کے لئے (محمد جونا گڑھی)

لیکن یہاں لام برائے توقیت ہے۔ درست ترجمہ یوں ہے:

کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن، یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ (سید مودودی)

(۲) فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ۔ (الشعراء:۳۸)

تو ساحر ایک معین دن کے مقررہ وقت کے لئے جمع کئے گئے (امین احسن اصلاحی) کے بجائے، درست ترجمہ یوں ہوگا: تو ساحر ایک معین دن کے مقررہ وقت پر جمع کئے گئے (امانت اللہ اصلاحی)

(۳) يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ۔ (التغابن:۹)

جب وہ اکٹھے کئے جانے کے دن کے لئے تم کو اکٹھا کرے گا (امین احسن اصلاحی) کے بجائے، درست ترجمہ یوں ہوگا: جب وہ اکٹھے کئے جانے کے دن تم کو اکٹھا کرے گا۔ (حافظ نذر احمد)

(۴) ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاس۔ (هود:۱۰۳)

وہ ایک ایسا دن ہوگا جس کے لئے سارے ہی لوگ اکٹھے کئے جائیں گے (امین احسن اصلاحی) کے بجائے درست ترجمہ یہ ہے:

وہ ایک ایسا دن ہوگا جس دن سارے ہی لوگ اکٹھے کئے جائیں گے۔ (حافظ نذر احمد)

(۵) لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ۔ (الاعراف:۱۸۷) وہی اس کے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا۔ (امین احسن اصلاحی) اس آیت میں میرے علم کی حد تک سارے مترجمین نے لام توقیت کا ترجمہ کیا ہے۔

(۶) إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِن (الطلاق:۱) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انہیں اُن کی عدت کے لیے طلاق دیا کرو۔ (سید مودودی) کے بجائے درست ترجمہ ہوگا: جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو۔ (احمد رضا خان)

سرسری جائزہ سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ حافظ نذر احمد کے ترجمہ میں لام بمعنی فی کی تقریباً ہر جگہ رعایت کی گئی ہے۔ باقی ترجموں میں صورتحال یہ ہے کہ کسی مقام پر اس کی رعایت ہوسکی تو کسی مقام پر رعایت نہیں ہوسکی۔

(۷) أَقِمِ الصَّلاَةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ۔ (الاسراء:۷۸)

اس آیت کا ترجمہ عام طور سے مترجمین نے اس طرح کیا ہے کہ: نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لے کر اندھیرے تک۔ (سید مودودی)

مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ یہاں بھی لام فی کے ہم معنی ہے، ترجمہ ہوگا: نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے پر (یا زوال آفتاب کے اوقات میں)، شب کے تاریک ہونے تک۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ لام سے کا مفہوم ادا کرنے کے لئے نہیں آتا ہے۔ ابن عاشور لکھتے ہیں: والـلام فـي (لِـدُلُـوك الشَّمسِ) لام التوقيت. وهي بمعنى (عند).

(۳) باء برائے ملابست اور باء برائے سببیت کے درمیان اشتباہ

جس طرح لام کے متعدد استعمالات ہیں اسی طرح باء کے بھی کئی استعمالات ہیں، ترجمہ میں ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ سورۃ الشّمس کی مندرجہ ذیل آیت کے ترجمہ کے بارے میں مولانا امانت اللہ اصلاحی کا نقطہ نظر بہت اہم ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا۔ (الشّمس:۱۱) کا ترجمہ کرتے ہوئے عام طور سے مترجمین نے باء کو برائے سببیت مانا ہے اور ترجمہ اس طرح کیا ہے، ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر جھٹلایا (سید مودودی)۔ بعض لوگوں نے باء استعانت کے لحاظ سے ترجمہ کیا، جو یوں ہے، ثمود نے اپنی سرکشی سے جھٹلایا (احمد رضا

خان)۔ باءاستعانت جیسے کتبت بالقلم میں نے قلم سے لکھا۔

عربی تفاسیر میں بھی عام طور سے یہی دو اقوال ہیں، بعض نے باءتعدیہ کا قول بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ یہاں باء برائے ملابست یا برائے مصاحبت ہے۔ اس کے لحاظ سے ترجمہ ہوگا: ثمود نے سرکشی کرتے ہوئے جھٹلایا۔ یا جھٹلانے کے ساتھ ساتھ سرکشی دکھائی۔ واضح ہو کہ با برائے ملابست ماننے کی صورت میں آیت کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں، تکذیب کے ساتھ سرکشی کی یا سرکشی کے ساتھ تکذیب کی، مگر چونکہ آگے سرکشی کی وضاحت آرہی ہے، اس لیے زیادہ موزوں ترجمہ ہوگا، تکذیب کے ساتھ ساتھ سرکشی کی۔ آگے کی ایک آیت میں فکذبوہ فعقروھا کہا گیا جس میں تکذیب کا بھی ذکر ہوگیا اور سرکشی یعنی عقر ناقہ کا بھی ذکر ہوگیا۔

اس کی نظیریں قرآن مجید میں بہت واضح طور سے موجود ہیں جیسے:

(۱) يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ۔ (الاسراء:۵۲)

جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے (احمد رضا خان) جس دن وہ تمہیں بلائے گا تم اس کی تعریف کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے (محمد جوناگڑھی)

(۲) وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدَهِ۔ (الاسراء:۴۴) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔ (فتح محمد جالندھری)

(۳) وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ۔ (الفرقان:۵۸] اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو (سید مودودی)

مذکورہ تینوں مثالوں میں عام طور سے مترجمین ومفسرین نے بحمدہ کی باء کو برائے ملابست یا مصاحبت مانا ہے۔ اور اسی لحاظ سے ترجمہ کیا ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ سورۃ الشمس کی آیت مذکورہ میں لوگوں کا ذہن ادھر نہیں گیا، حالانکہ سورہ الشمس والی آیت ٹھیک اسی اسلوب پر آئی ہے۔ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۶۶ر میں انزله بعلمه میں بھی باء مصاحبت کی ہے، نہ کہ استعانت کی، ترجمہ ہوگا اس نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے (امین احسن اصلاحی) نہ کہ: اسے اپنے علم سے اتارا ہے (محمد جوناگڑھی)

(۴) ثم بالفتح اور ثم بالضم کے درمیان اشتباہ

ثم جب ضمہ کے ساتھ ہو تو حرف عطف ہوتا ہے اور اس میں حسب موقع پھر یا بھی یا پھر بھی کا مفہوم ہوتا ہے۔ جبکہ ثم جب فتحہ کے ساتھ ہو تو اشارہ مکان کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ وہاں سے کیا جاتا ہے۔

ثم فتحہ کے ساتھ قرآن مجید میں چار مقامات پر آیا ہے، تین مقامات پر تو سبھی مترجمین نے وہاں کا ترجمہ کیا ہے، لیکن چوتھے مقام پر محسوس ہوتا ہے کہ کئی مترجمین کو اشتباہ ہوگیا۔ وہ مقام ہے: مُطَاعٍ ثَمَّ

أَمِیۡن۔ (التکویر:۲۱)

اس کا ترجمہ مترجمین نے یوں کیا ہے:

(۱) سردار (اور) امانت دار ہے (فتح محمد جالندھری، ثَم کا ترجمہ نہیں کیا)

(۲) (تمام جہانوں کے لئے) واجب الاطاعت ہیں (کیونکہ ان کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے)، امانت دار ہیں (وحی اور زمین و آسمان کے سب اُلوہی رازوں کے حامل ہیں)۔ (طاہر القادری، قابل غور بات یہ ہے کہ غیر ضروری طور پر قوسین کے ذریعہ موصوف اپنے فکری مسلک کی تبلیغ میں ایسا مصروف ہوئے کہ لفظ ثَم کا ترجمہ ہی نہیں کیا)

(۳) وہ وہاں قابل اطاعت اور پھر امانت دار ہے (جوادی، ثَم کا ترجمہ دو بار کیا، پہلا صحیح دوسرا غلط)

(۴) جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے امین ہے (محمد جونا گڑھی، ثَم کا لفظی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ قوسین میں اس کی تشریح کی ہے آسمانوں میں کہہ کر)

(۵) (وہاں) اس کا حکم مانا جاتا ہے اور پھر وہ امانتدار (بھی) ہے۔ (محمد حسین نجفی، ثَم کا ترجمہ دو بار کیا، پہلا قوسین میں جو صحیح ہے، دوسرا متن کے اندر جو غلط ہے)

اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ نہایت امین بھی ہے۔ (امین احسن اصلاحی، ثَم کا ترجمہ غلط کیا)

آیت مذکورہ پر گفتگو کرتے ہوئے ثَم (زبر کے ساتھ) کے بارے میں صاحب تدبر قرآن لکھتے ہیں: ''صفت سے پہلے جب یہ آتا ہے تو اس کی عظمت واہمیت کو نمایاں کرنے کے لئے آتا ہے، یہاں یہ صفت امین سے پہلے آیا ہے تو اس سے مقصود حضرت جبریل علیہ السلام کی اس صفت کی طرف خاص طور پر توجہ دلانا ہے۔ یعنی مذکورہ صفات کے ساتھ ان کی خاص اہمیت رکھنے والی یا خاص طور پر ذکر کے لائق صفت یہ بھی ہے کہ وہ نہایت امانت دار ہیں''۔ (تدبر قرآن)

صاحب تدبر کا مذکورہ بیان بالکل درست ہے مگر وہ ثَم (زبر کے ساتھ) پر صادق نہیں آتا ہے بلکہ ثُم (پیش کے ساتھ) پر صادق آتا ہے، جبکہ آیت میں اول الذکر استعمال ہوا ہے۔ یہاں ثَم کا ترجمہ وہاں سے کیا جائے گا، البتہ چونکہ ایک صفت کے بعد دوسری صفت بغیر حرف عطف کے آئی ہے، اس کا اظہار اور سے بھی کر سکتے ہیں، اور بھی سے بھی کر سکتے ہیں۔

درست ترجمہ یوں ہوگا: وہاں اُس کا حکم مانا جاتا ہے، وہ بااعتماد ہے (سید مودودی) وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے، امانت دار ہے (احمد رضا خان) یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ثَم کا تعلق بعد کی صفت امین سے نہیں بلکہ سابق صفت مطاع سے ہے۔

(۵) خسف بہ الارض کا مطلب

اگر کوئی جگہ زمین میں اندر جا دھنسے تو کہتے ہیں خسف المکان، تاہم خسف متعدی بھی استعمال ہوتا ہے اور خسف به الارض کا مطلب ہوتا ہے اس کو زمین میں دھنسا دیا، اس ترکیب میں دو مفعول ہوتے ہیں ایک پر باء لگی ہوتی ہے اور دوسرا منصوب ہوتا ہے، کیونکہ فعل کا اثر دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک تو زمین پر کہ اس میں شگاف کیا جائے اور دوسرا اس چیز پر کہ اس کو اس شگاف میں دھنسا کر غائب کر دیا جائے۔ فیروز آبادی کے الفاظ میں و (خسف) الله بفُلان الارضَ: غيَّبه فيها ۔قرآن مجید میں یہ لفظ اسی طرح کی ترکیب کے ساتھ کئی مقامات پر آیا ہے، اور عاماً طور سے مترجمین نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے، جیسے

(۱) أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُواْ السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللّهُ بِهِمُ الأَرْضَ۔ (النحل:۴۵)

کیا جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دے (فتح محمد جالندھری)

(۲) فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ۔ (القصص:۸۱) آخر کار ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دَھنسا دیا (سید مودودی)

البتہ یہاں اور ایسے اکثر مقامات پر صاحب تدبر قرآن نے ایک دوسری راہ نکالی ہے، انہوں نے فعل کے بعد آنے والی باء کو مصاحبت کا مان کر پہلی آیت کا ترجمہ اس طرح کیا: اللہ ان کے سمیت زمین کو دھنسا دے۔ اور دوسری آیت کا ترجمہ اس طرح کیا: پس ہم نے اس کے اور اس کے گھر سمیت زمین کو دھنسا دیا۔

لیکن صحیح ترجمہ وہی ہے جو عام مترجمین نے اختیار کیا، کیوں کہ خسف کے اس عمل میں زمین نہیں دھنستی ہے، بلکہ زمین پھٹتی ہے اور جو چیز اس میں جا کر سما جاتی ہے وہ دھنستی ہے، زمین تو پھٹنے کے بعد دوبارہ برابر ہو جاتی ہے۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ اسی آیت میں لَوْلَا أَن مَّنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا (القصص:۸۲) کا ترجمہ صاحب تدبر نے عام مترجمین کے طرز پر یوں کیا: اگر اللہ کا ہم پر فضل نہ ہوا ہوتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔

دیکھنے کی چیز یہ بھی ہے کہ صاحب تدبر نے سورہ سبا آیت نمبر ۹، سورہ اسراء آیت نمبر ۶۸/ اور سورہ ملک آیت نمبر ۱۶/ میں ترجمہ عام مترجمین سے ہٹ کر اپنے انداز سے کیا ہے، لیکن سورہ عنکبوت میں وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ۔ (العنکبوت:۴۰) کا ترجمہ کرتے ہوئے عام مترجمین کے انداز کو اختیار کر لیا اور یوں ترجمہ کیا: اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔

ابن عاشور نے بھی کہیں کہیں یہی راہ اختیار کی ہے:

سورہ ملک والی آیت پر گفتگو کرتے ہوئے باء کو مصاحبت کا بتاتے ہیں: والباء فی قوله: (بکم) للمصاحبة،أی یخسف الارض مصاحبةلذواتکم۔

جبکہ سورہ نحل والی آیت میں باء کو برائے تعدیہ قرار دیتے ہیں:

وخسف من باب ضرب . ویستعمل قاصرا ومتعدیا. یقال: خسفت الارض،ویقال: خسف الله الارض، قال تعالی: (فَخَسَفنَابِهِ وَبِدَارِه الارضَ) (القصص:۸۱)، ولا یتعدی الی مازادعلی المفعول الا بحرف التعدیة، والاکثر ان یعدی بالباء کما هنا وقوله تعالی: (فَخَسَفنَابِهِ وَبِدَارِهِ الَارض)، أی جعلناها خاسفة به، فالباء للتعدیة، کما یقال: ذهب به۔

(۲) مھین کا موزوں ترجمہ

مھیــــن کا لفظ قرآن مجید میں چار مقامات پر آیا ہے،اس کا ترجمہ مترجمین کے یہاں کہیں حقیر اور ذلیل جیسے الفاظ سے ملتا ہے اور کہیں معمولی، بے وقعت اور بے قیمت کے الفاظ سے۔لغت کے لحاظ سے حقیر اور ذلیل جیسا مفہوم اس لفظ کے اندر نہیں ہے بلکہ معمولی اور بے وقعت ہی درست مفہوم ہے۔کہا جاسکتا ہے ہے کہ اردو میں حقیر اور ذلیل جیسے الفاظ معمولی اور بے قیمت کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں،لیکن پھر بھی غالب اور عام استعمال کے لحاظ سے دونوں طرح کے لفظوں میں ایک بڑا فرق محسوس ہوتا ہے۔اس فرق کی رعایت ترجمہ میں کرنا ضروری ہے۔ابن عاشور نے مھیــــن کی توضیح اس طرح کی ہے، والمهین:الشیء الممتهن الذی لایعبأ به ۔ایسی بے وقعت چیز جو کسی کی توجہ کی سزاوار نہ بنے۔ یہ بات بھی سامنے رہنا چاہئے کہ عربی میں حقیر اصلا چھوٹے اور معمولی کے ہم معنی ہوتا ہے، جبکہ اردو میں آکر وہ ذلیل سے قریب ہوگیا ہے۔اسی لئے عربی کی تفسیروں میں جہاں مھین کا مفہوم حقیر سے بیان کیا گیا ہے تو وہاں معمولی اور بے قیمت کا مفہوم ہے، وہ آیتیں جن میں مھین کا لفظ آیا ہے حسب ذیل ہیں:

(۱)ثُمَّ جَعَلَ نَسلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاء مَّهِينٍ۔(السجدۃ:۸)
پھر اُس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے(سید مودودی)
پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی (محمد جونا گڑھی)
(۲) أَلَمْ نَخلُقكُّم مِّن مَّاء مَّهِينٍ۔(المرسلات:۲۰)
کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا (محمد جونا گڑھی)
کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہ فرمایا(احمد رضا خان)
کیا ہم نے تمہیں ایک ذلیل پانی سے نہیں پیدا کیا (احمد علی)

مذکورہ دونوں آیتوں میں اس پانی کا ذکر ہے جس سے انسان کی تخلیق کی گئی ہے، ظاہر ہے یہاں

اس پانی کی تذلیل وتحقیر مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ معمولی اور بے قیمت ہے۔ انسان جسے اللہ نے تکریم سے نوازا ہے، اور اس کی بہترین تخلیق کی ہے، اس کی تخلیق کا مادہ ذلیل وحقیر کیسے ہوسکتا ہے۔

(۳) أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَلَا يَكَادُ يُبِيْن۔ (الزخرف:۵۲)

یا میں بہتر ہوں اس سے کہ ذلیل ہے اور بات صاف کرتا معلوم نہیں ہوتا (احمد رضا خان)

بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا (محمد جونا گڑھی)

یہاں بھی فرعون کو یہ بتانا ہے کہ موسی ایک عام سے آدمی ہیں، جن کے پاس کچھ نہیں ہے، ذلیل کا محل یہاں بھی نہیں ہے۔

(۴) وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْن۔ (القلم:۱۰)

ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے (سید مودودی)

اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل اوقات ہے (فتح محمد جالندھری)

اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل (احمد رضا خان)

مذکورہ آیت میں بھی اس شخص کے بے وقعت ہونے کا ذکر ہے، جسے اپنی بات کی تصدیق کے لئے بار بار قسمیں کھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۷) نکرہ کی معنویت کا اظہار

ایک لفظ کے معرفہ والے پہلو اور اس کے بالمقابل ایک دوسرے لفظ کے نکرہ والے پہلو کو اجاگر کرنا بھی مترجم کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ کیونکہ معانی کے کچھ گوہر آبدار اس پہلو میں بھی نہاں ہوتے ہیں۔ ذیل کی مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے:

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً۔ (الم نشرح:۶)

اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے (امین احسن اصلاحی)

تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے (سید مودودی)

مولانا امانت اللہ اصلاحی نے آیت کا ترجمہ اس طرح بتایا: ہر دشواری کے ساتھ کوئی نہ کوئی آسانی ہے۔ اس طرح العسر معرفہ کے ساتھ یسر کو نکرہ ذکر کرنے کی معنویت نمایاں ہوجاتی ہے، العسر کو معرفہ ذکر کر کے تمام دشواریوں کا احاطہ کیا تو یسر کو نکرہ ذکر کر کے دشواریوں سے نکلنے کے لامتناہی امکانات کی طرف اشارہ کر دیا۔

●●

تیونس کا صبر آزما جمہوری سفر

ذاکر حسین فلاحی، جنرل سکریٹری اسلامی جمعیت طلبہ جموں وکشمیر، ومدیر ماہنامہ پیام

"جب لوگ جینے کا عزم کرلیں، تو منزل آسان ہوجاتی ہے، اور ایک نہ
ایک دن غلامی کی زنجیریں خود بہ خود ٹوٹ جاتی ہیں"۔

یہ ایک صدی پرانے تیونس کے عظیم اسلامی شاعر ابوالقاسم الشابی کے مشہور اشعار ہیں جو تیونس کے قومی ترانہ کے طور پر پڑھے جاتے ہیں۔

15/جنوری 2011ء کا دن تیونس ہی نہیں بلکہ عالم عربی کے لئے ایک تاریخ ساز دن تھا، جب تیونس کی عوام نے ظالم وجابر حکمران زین العابدین کی تیئس سال پر محیط مطلق العنانیت (Iron Fisted Rule) کا خاتمہ کیا، اور کئی دہائیوں پر مشتمل غلامانہ زندگی کی تمام زنجیروں کو توڑ کر پھینک دیا، اور آزادی کے ساتھ اپنے جمہوری سفر کے آغاز کا اعلان کردیا۔

تیونس کی یہ انقلابی لہر بہت جلد ہی دوسرے عرب ممالک تک پہنچ گئی اور عرب دنیا اور وسط ایشیا کے کئی ایک ممالک میں ملوکیت اور مطلق العنان حکومتوں کے خلاف احتجاجی مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا، جو آج تک جاری ہے۔

انقلاب تیونس کے بعد آئین ساز اسمبلی (Constituent Assembly) کے آزاد اور منصفانہ انتخابات کے نتیجے میں 23/اکتوبر 2011ء کو تیونس کی پہلی جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ اسلامی تحریک حرکۃ النہضۃ کو تمام سیاسی جماعتوں میں سب سے زیادہ ووٹ ملے، اگرچہ واضح اکثریت اسے حاصل نہ ہوسکی۔ اسے آئین ساز اسمبلی کی ۲۱۷/نشستوں میں سے نوے نشستوں پر کامیابی حاصل ہوئی۔ الیکشن میں کامیابی کی دعویدار النہضۃ کی مخالف بائیں بازو کی سیکولر جماعت پی ڈی پی (PDP) کی شکست ہوئی۔ بائیں بازو کی سی پی آر (CPR) نے کل تیس نشستوں پر قبضہ کرلیا، اسی طرح اٹاکٹول (Ettakotal) اکیس نشستوں پر فائز ہوکر تیسری کامیاب جماعت بنی۔ اس منتخبہ قانون ساز اسمبلی کو ایک عبوری صدر کے انتخاب کے علاوہ ملک کا نیا قانون بنانا تھا، اور آنے والے صدارتی اور پارلیمانی

الیکشن کے لئے تاریخوں کا تعین کرنا تھا۔

تیونس کی مابعد انقلاب صورت حال کا صحیح طور سے تجزیہ کرنے سے پہلے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ آیا تیونس میں آنے والا یہ انقلاب اسلامی انقلاب تھا یا صرف جمہوری انقلاب۔ یہ وہ بحث ہے جو انقلاب تیونس یا النہضۃ کی جانب سے حکومت کی تشکیل کے بعد ہی سے عالمی میڈیا میں شروع ہو گئی۔ اگر چہ اسلامی اصولوں پر قائم اور اسلام کے نظریہ سیاسی کی حامل پارٹی 'النہضۃ' اکثریت کے ساتھ برسر اقتدار آئی، لیکن اس کے باوجود ہم اس انقلاب کو مکمل اسلامی انقلاب نہیں کہہ سکتے۔ تیونس کا یہ انقلاب فی الواقع ایک جمہوری انقلاب ہے، اگر چہ اس انقلاب میں سب سے اہم اور سب سے بڑا رول اسلامی پارٹی 'النہضۃ' کا ہی ہے لیکن اس کو وہاں کی اسلام مخالف سیکولر اور لیبرل پارٹیوں کو الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا جو انقلاب تیونس میں برابر کی شریک تھیں، اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ انقلاب گر چہ خالص جمہوری انقلاب ہے لیکن یہ انقلاب نقطہ اختتام نہیں ہے، بلکہ ایک عظیم تبدیلی کی طرف سفر ہے یا اس تبدیلی کے راستہ کا ایک پڑاؤ ہے جو ایک اسلامی جمہوری ریاست کے قیام پر منتج ہو گی، کیونکہ تیونس کی غالب اکثریت کی ترجیح اسلامی شریعت اور النہضۃ ہی ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت پہلی مرتبہ ہونے والے آزادانہ اور شفاف جمہوری انتخابات ہیں۔

23/اکتوبر 2013ء کو تیونس کی جمہوری حکومت نے اپنا دو سالہ سفر پورا کر لیا۔ اس دو سال کے عرصہ میں ملک کی سیاست نے مختلف کروٹیں لیں، جمہوریت کی راہیں تنگ کی گئیں اور آخری مہینوں میں جنوری 2013ء سے ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ دیکھنے والے یہ سوچنے پہ مجبور ہو گئے کہ شائد عرب انقلابات کی گود یا بہار عرب کا قائد خود جمہوریت سے محروم ہو سکتا ہے، اور مصر کے جمہوری انقلاب کی طرح یہاں کا انقلاب بھی اب اپنی اہمیت کھو کر اپنے مطلوبہ ہدف تک پہنچنے سے محروم رہ جائے گا۔ جنوری کے مہینہ میں بایاں بازو کی سیکولر جماعت کے ایک اہم رہنما شکری بیلاد (Shokri Belaid) کا قتل ہوا جس نے تیونس کے سیاسی حالات کو کافی حد تک متاثر کیا، اور تیونس کی سیاسی پارٹیوں میں اختلافات کے نئے بیج بو دیئے۔ جس سے حکومت مخالف احتجاجات کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ جنوری میں ہی النہضۃ کے سینئر لیڈر تیونس کے وزیر اعظم حمد الجبالی کا اپنے عہدے سے استعفی ابھی ان ہی احتجاجات کا نتیجہ ہے۔ بایاں بازو کی سیکولر جماعت نے معاشی بدحالی، بے روزگاری اور امن وامان کے قیام اور دیگر سیاسی مسائل کو وجہ بنا کر النہضۃ کو ملک کے سیاسی عدم استحکام کا ذمہ دار ٹھہرایا، اور ٹیکنو کریٹس پر مشتمل ایک نئی عبوری حکومت کا مطالبہ کیا۔ شکری کے قتل کے صرف چھ ماہ بعد مذکورہ سیاسی جماعت کے ایک اور اہم رہنما محمد براہمی (Mohamed Brahmi) کے قتل نے اس تشویشناک صورت حال میں مزید

اضافہ کر دیا۔اس سے بایاں بازو کی سیاسی جماعتوں کی جانب سے حکومت کی برطرفی کا مطالبہ زور پکڑتا گیا۔

ان مقتدر سیاسی رہنماؤں کے قتل کے پیچھے انصار الشریعۃ نامی ایک نام نہاد القاعدہ سے وابستہ انتہا پسند گروپ کا نام لیا جا رہا ہے، جس کے نتیجہ میں النہضۃ کے اسلامی تشخص کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، اور اس کی بنا پر مزید الزامات کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا ہے، جس سے ملکی سطح پر اسلام اور سیکولر کشمکش (Islam-Secularist Tension) میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مخلوط حکومت میں موجود ۲ رلیبرل سیاسی جماعتوں نے بھی ان حالات سے تنگ آ کر النہضۃ کے خلاف انگلیاں اٹھانی شروع کر دی ہیں۔لیکن النہضۃ اس سیاسی عدم استحکام سے نکلنے کے لئے تمام ملکی سیاسی جماعتوں کو قومی مذاکرات (National Diolouge) کی دعوت دے رہی ہے، جس کے لئے چند متشدد سیکولر جماعتوں کے علاوہ ملک کی اکثر چھوٹی بڑی سیاسی پارٹیوں نے آمادگی ظاہر کر دی ہے۔قومی مذاکرات مخالف عناصر اس مفاہمت کو ناکام بنانے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔لیکن یکم نومبر 2013ء سے باقاعدہ مذاکرات اور مفاہمت کا آغاز ہو گیا ہے۔آئین سازی بھی اپنے آخری مراحل میں ہے، اور نئے پارلیمانی انتخابات بھی قریب تر ہیں۔

اس سیاسی عدم استحکام کا اصلی ذمہ دار کون ہے، قومی مذاکرات کیا نتائج سامنے لائیں گے، کیا موجودہ حکومت اپنی میعاد پوری کر سکے گی یا ٹیکنوکریٹس گورنمنٹ اور عبوری حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے گا، کیا ایک ٹیکنوکریٹ گورنمنٹ کا مطالبہ النہضۃ کو تسلیم ہے، کیا تیونس کی جمہوریت بھی مصر کی جمہوریت کی طرح اب اپنے آخری سانس لے رہی ہے، النہضۃ اپنے مشن میں کس حد تک کامیاب ہے، کیا اسلامی ریاست کا قیام یا اسلامی شریعت پر مبنی آئین سازی ایسے حالات میں ممکن ہے۔۔۔اس طرح کے بہت سارے سوالات ہیں جو اس وقت سامنے آ رہے ہیں، جن کا احاطہ اس تجزیہ میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

۱) تیونس کے اس انقلاب کے نتیجے میں صدیوں سے قائم آمریت، بادشاہت اور مطلق العنانیت کا خاتمہ ہوا ہے، یہ صرف تیونس کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ پوری عرب دنیا، مشرق وسطیٰ، بلکہ پورے عالم اسلام یا اسلامی دنیا کے حق میں ایک تاریخی تبدیلی ہے۔ایک صدی قبل سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد سے ہی نہیں بلکہ تیرہ سو سال قبل سقوط خلافت راشدہ کے بعد سے عالم اسلام سیاسی زوال اور عدم استحکام سے دوچار رہا ہے۔سقوط خلافت عثمانیہ تک کسی حد تک اس عدم استحکام میں کمی نظر آتی ہے، لیکن سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد عالم اسلام پے در پے غلامی کی زنجیروں میں جکڑتا چلا گیا، پہلے انگریزوں کی

غلامی میں، پھر اپنے ہی لباس میں ملبوس انگریزوں کے غلاموں کی غلامی میں، چنانچہ عالم اسلام سے مکمل طور پر آزادی سلب کر لی گئی۔ فکری طور سے عالم اسلام میں موجود نمائندہ افراد کو پابند سلاسل کر دیا گیا، ظلم اور استبداد کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو کچلا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عالم اسلام سیاسی، معاشی، سماجی، معاشرتی، فکری اور اخلاقی ہر اعتبار سے تنزل اور پستی کا شکار ہوتا چلا گیا۔ اب انقلاب کے بعد ایسے حالات میں آزادی و جمہوریت کی فضا کو بحال کرنا، وہ تیونس کا معاملہ ہو یا کسی اور عرب ملک کا، یہ ایک مشکل ترین عمل ہے۔ تیونس کی بات کریں تو سابق حکمرانوں اور حکومتوں نے کئی دہائیوں تک ملک کو جس سیاسی اور معاشی بدحالی کے آخری دلدل میں پھنسا کر رکھا تھا، جمہوریت کے صرف دو سالوں کے اندر ملک کو اس بدحالی سے نہیں نکالا جا سکتا ہے، اس کے لئے کئی دہائیوں کی محنت درکار ہے۔ لیکن بہر حال اس انقلاب کے نتیجے میں ایک طویل عرصے بعد ظلم، ناانصافی اور آزادی سے محروم عوام کو اپنے حقوق کے مطالبہ کی مکمل آزادی مل گئی ہے، انہیں یہ حق بھی مل گیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔ البتہ ملک جن صبر آزما حالات سے گزر رہا ہے اس میں ہر ایک کو مکمل طور پر اس کے حقوق ملنا ناممکن ہے، ایسے حالات میں صبر سے کام لے کر آگے بڑھنا، اور جمہوریت کی اس عظیم دولت کی حفاظت کرتے ہوئے ملک کو استحکام اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنا حکومت کی اصل ذمہ داری ہے۔ حکمراں جماعت النہضۃ کے سامنے ملک کی یہ پوری صورتحال واضح ہے، ان حالات میں جو ذمہ داری ان پر آتی ہے وہ اسے انجام دینے کی پوری کوششوں میں لگے ہوئے ہیں، جس کا اظہار تیونس کی موجودہ حکمراں جماعت النہضۃ کے سربراہ راشد الغنوشی بار بار کررہے ہیں۔ 9/نومبر 2013ء کو جریدۃ (**التیونسیۃ**) کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں انہوں نے اس حقیقت کا اعلان کیا کہ "انقلاب کے بعد جو بھی حکومتیں آتی ہیں وہ کمزور ہوا کرتی ہیں، کیونکہ اس سے پہلے قانون کا مأخذ طاقت ہوا کرتی ہے، تیونس بھی انقلاب سے پہلے ایک فوجی مملکت تھی، جہاں قوت نافذہ صرف رعب و دبدبہ تھا اور حکومت مطلق طور پر قانون سے بالاتر ہوا کرتی تھی، لیکن اب انقلاب کے بعد حکومت قانون کے دائرہ میں جکڑی ہوئی ہے، بعض اوقات غیر اطمینانی کی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے اس لئے کہ ملک اس وقت ڈکٹیٹر شپ سے جمہوریت کے تاریخی، اہم اور نازک سیاسی عبوری دور (Political Transition)) سے گزر رہا ہے، ایسے حالات میں یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ طاقت و رعب کے بجائے آزاد طریقہ سے ملک کے اجتماعی امن وامان کو قائم رکھا جائے، یہ بھی صحیح ہے کہ اس وقت ملک سیاسی مسائل، امن وامان کے عدم استحکام، اور معاشی بدحالی سے دوچار ہے، لیکن وجہ یہ ہے ہم اس وقت سیکھ رہے ہیں کہ ملک کو کیسے آزادی کے ساتھ چلائیں، جبکہ اس سے پہلے طاقت، رعب اور تعذیب کی بنیادوں پر ملک کو چلایا جا رہا تھا"۔

۲) تیونس کی جمہوریت اپنی منزل کو چھوتی نظر آ رہی ہے، جس کے لیے ملک کی عوام، تعلیم یافتہ افراد، حکمراں پارٹیاں خصوصا النہضۃ سرگرم عمل ہے۔ انہیں اس بات پہ یقین ہے کہ تاریخ کا دیا ہوا یہ اہم موقع ہے جو اگر فوت ہو جائے گا تو ملک پھر دہائیوں یا صدیوں تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر رہ جائے گا اور آزادی و قانون کی بالادستی سے محروم کر دیا جائے گا۔ تیونس کی جمہورت کو اس وقت سب سے بڑا خطرہ انتہا پسندی سے ہے جو تین طرح کے عناصر پر مشتمل ہے:

(الف) بنیاد پرست متشدد کمیونسٹ اور سیکولرسٹ عناصر جو منتخب حکومت میں غالب اکثریت والی پارٹی النہضۃ کو اس کے اسلامی نظریات کی بنیاد پر اپنی شناخت کے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اور مختلف حیلے بہانوں کی بنیاد پر النہضۃ کو حکومت سے بے دخل کرنے کی ناکام سعی کر رہے ہیں۔

(ب) سابق حکمراں زین العابدین کے حامیوں پر مشتمل ایک ٹولہ جو چند بیروکریٹس یا عوام کی صورت میں ملک میں کسی جگہ موجود ہیں، اگر چہ ملک کی سیاست میں اب ان کا کوئی رول یا وزن نہیں، لیکن بعض اوقات حالات کا فائدہ اٹھا کر یہ جمہوریت مخالف سرگرمیوں کو ہوا دینے کا موقع پا جاتے ہیں۔

(ج) ملک کی جمہوریت کو تیسرا بڑا خطرہ نام نہاد انتہا پسند سوچ رکھنے والا مسلم عناصر سے ہے، جو ملک میں صحیح اسلامی سوچ پروان چڑھانے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ ان کے سبب عوام کے ذہنوں میں النہضۃ کا ملک کے تئیں اسلامی وژن اور مشن بھی منفی اثرات کا شکار بن رہا ہے۔ یہ عنصر تیونس میں "انصار الشریعہ" کے نام سے موجود ہے، متشدد سیکولر عناصر اور انتہا پسند مسلم عناصر کا ٹکراؤ ہی تیونس کی جمہوریت کے ستونوں میں دراڑیں ڈال رہا ہے۔ اسلام اور سیکولر ٹکراؤ (Islam-Secularist Tension) کا مظہر انہیں دو عناصر کے ٹکراؤ کے نتیجے میں ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے ملک میں پائے جانے والے عدم استحکام کے پیچھے ان ہی ۲/عناصر کا ہاتھ ہے۔ بایاں بازو کی سیکولر جماعت کے دو اہم لیڈروں کے قتل کے پیچھے بھی "انصار الشریعہ" کا ہاتھ ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے، جس کی النہضۃ نے بھی مذمت کی ہے۔ کیونکہ النہضۃ اسلامی اور غیر اسلامی عناصر کے ساتھ کشیدگی کے بجائے مذاکرات اور مفاہمت (Dialouge) پر زیادہ یقین رکھتی ہے، اور خاص طور سے اس وقت کی صورتحال میں ٹکراؤ نہ صرف تیونس میں جمہوریت کے لیے بلکہ اسلام کے لئے بھی بہت بڑا خطرہ ہے۔

تیونس کی جمہوریت کو ان تین طرح کے عناصر سے خطرہ تو ہے لیکن وہ اب ذہنی لحاظ سے بہت ہی پختہ ہو چکی ہے اور تیونس کی حکومت، سیاستداں، تعلیم یافتہ نوجوان اتنے حساس بن چکے ہیں کہ وہ اس طرح کی کسی بھی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے، جس کا اظہار راشد الغنوشی نے ان الفاظ میں کیا ہے: "مجھے اس بات پر پورا یقین ہے کہ تیونس میں انتہا پسندی کسی بھی صورت میں اپنے مذموم مقاصد

میں کامیاب نہیں ہوگی، کیوں کہ عوام متحد ہیں اور تشدد سے سخت نفرت کرتے ہیں اور تیونس کے لوگ پرامن ہیں، اس لئے دہشت گردوں کی ہر ایک کارستانی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوام کے اتحاد میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، اور ہمیں اس بات پہ اطمینان ہے کہ تیونس کے پاس ایک منظّم اور تجربہ کار فوج ہے اور اس کے پاس پاس اپنا ایک پرامن نظام ہے جس کی پشت پر ایک حوصلہ مند عوام ہے جو اپنے امن اور اپنے کامیاب جمہوری سفر کے لئے کمر بستہ ہے، یقیناً فوج اور عوام کی یکجہتی اور مضبوطی سے انتہا پسندی کی ہر کوشش کو خاک میں ملا دیا جائے گا"۔

۳) میڈیا میں بعض اوقات اس طرح کی بے بنیاد خبریں اور غیر ذمہ دارانہ تجزیے ملتے ہیں کہ اب مصر کے بعد تیونس کی جمہوری حکومت ناکام ہورہی ہے، یہ حقیقت ہے اور اس کا تذکرہ بھی ہوا کہ ملک نازک ترین حالات سے گزر رہا ہے لیکن مصر اور تیونس کی سیاسی صورتحال میں بہت زیادہ فرق ہے، جو وجوہات مصر کی جمہوریت کے خاتمہ کا سبب بنیں، وہ وجوہات تیونس میں موجود نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ مصر کی جمہوریت کا خاتمہ انتخابات میں غالب اکثریت سے کامیاب ہونے والی اسلامی نظریات رکھنے والی جماعت الاخوان المسلون کی ملکی اقتدار سے بے دخلی سے ہوا۔ اس لئے کہ جب مصری انقلاب رونما ہوا اس وقت جمہوریت کی حمایت میں اٹھنے والی جماعتوں میں سے اکثر جماعتوں نے جمہوریت مخالف فوجی بغاوت کا ساتھ دیا۔ یہ جماعتیں جمہوریت چاہتی تھیں مگر اسلام مخالف، اپنی من مانی کی اور اسرائیلی اور امریکہ نواز جمہوری حکومت۔ اس کے برخلاف اخوان عوامی اور اسلام پسند جمہوریت چاہتی تھی۔ جو وجوہات مصر میں اخوان کی جمہوری حکومت کے خاتمہ کا سبب بنیں یا جو عناصر اس کی پشت پر کارفرما تھے، وہ کچھ اس طرح ہیں:

(الف) مغربی ممالک بطور خاص امریکہ اور اسرائیل کی اخوان سے شدید دشمنی ونفرت۔ مسئلہ فلسطین پر اخوان نے ہمیشہ سیاسی، سفارتی اور جنگی ہر محاذ پر غزہ اور حماس کا ساتھ دیا، اس طرح وہ اسرائیل اور اس کی حلیف مغربی طاقتوں کی سب سے بڑی حریف بن کر رہی ہے اور اس کے تمام مقاصد کو اس نے خاک میں ملا دیا ہے۔ اب مصر پر اخوان کی حکومت آ گئی تھی، جس سے وہ اب حماس کی بھرپور حمایت کر سکتے تھے، اور چند سالوں یا دہائیوں کے اندر فلسطین کو اسرائیل کے پنجوں سے چھڑا کر ہمیشہ کے لئے فلسطینیوں کو ان کا حق واپس دلانے کی کوشش کر سکتے تھے، یہ چیز اسرائیل نواز مغربی ممالک کے لیے کسی بھی صورت قابل قبول نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پوری عالمی طاقت اور سرمایہ اخوان کی حکومت کو کچلنے کے لئے استعمال کیا گیا، جس میں بالآخر کچھ حد تک مغربی ممالک یا اسلام دشمن طاقتیں کامیاب بھی ہوئیں۔

(ب) سابق مطلق العنان حکمران حسنی مبارک کی حکومت کے باقیات، جو بیروکریٹس کی شکل میں

مصری حکومت اور فوج میں بڑے عہدوں پر فائز کافی تعداد میں موجود ہیں، جنہوں نے جمہوریت کے خاتمہ اور سابقہ ڈکٹیٹر شپ کی بحالی کے لئے اپنی ہر ممکنہ کوشش کی، فوج اور عوام کو اکسایا، اور اسرائیلی لابی کا بھرپور ساتھ دیا۔ یہ اور اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں، لیکن یہ اسباب تیونس کی سیاست کے حوالے سے بہت حد تک موجود نہیں، اگر ہیں بھی تو ان کا اثر کافی کم ہے، اس طرح کہ وہ وہاں کی جمہوری حکومت کے خاتمے میں کوئی خاص کردار ادا کر سکیں، یا اسلامی پارٹی النہضۃ کی مقبولیت پر کچھ اثر انداز ہو سکیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اسرائیل، امریکہ اور دیگر مغربی طاقتیں النہضۃ کی بالادستی کو ٹھنڈے پیٹ برداشت نہیں کر سکتیں، پہلے بھی انہوں نے النہضۃ کو کچلنے میں وہاں کے ڈکٹیٹر زین العابدین بن علی کی حمایت کی تھی، اور آج بھی ان کی ایسی ہی پالیسی ہے، جس میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی، لیکن اخوان کی بہ نسبت النہضۃ اس کے لئے اتنی اہم نہیں ہے۔ النہضۃ اخوان کے بہ نسبت مصالح اور حکمت کی پالیسی پر زیادہ یقین رکھتی ہے، نہضۃ ٹھوس اور خالص اسلامی نظریات کے ساتھ ساتھ مفاہمت، تدریج، اور لچک کے اصولوں پر گامزن ہے جو وقت کے سیاسی حالات میں مجبوری بھی ہے اور اسلامی جمہوری سیاست کے ابھرنے کے لئے ضروری بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ النہضۃ کو ایک معتدل اسلامی جماعت کہا جاتا ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خود اخوان کے اندر سیاسی میدان میں آخری دو دہائیوں کے اندر جو تغیر یا لچک پیدا ہوئی ہے، اس میں ایک بڑا کردار النہضۃ کے عظیم رہنما اور جدید اسلامی مفکر راشد الغنوشی کے افکار و نظریات کا ہے۔ تیونس میں اس وقت سابق مطلق العنان حکمراں ابن علی کے ہم خیالوں اور حامیوں کی تعداد بھی کوئی خاص نظر نہیں آتی، جس کے سبب یہ بات کہی جا رہی ہے کہ مصر میں جس طرح مبارک حامیوں نے خطرناک منفی اثرات ڈالے، وہاں کی طرح یہاں ابن علی کے حامی اور ہم خیال کوئی خاص منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔

۴) تیونس کی حکمراں جماعت النہضۃ اور دیگر سیاسی جماعتوں نے موجودہ اضطرابی حالات سے نکلنے کے لئے قومی مذاکرات کی پیشکش کی ہے، جس پر چند مخالف سیاسی جماعتوں کے علاوہ سب نے اتفاق کیا ہے، اور باقاعدہ یکم نومبر سے قومی مذاکرات کا آغاز بھی ہو گیا ہے۔ النہضۃ حکومت سے دست برداری اور ایک عبوری حکومت کی تجویز کے بجائے قومی مذاکرات کو عدم استحکام سے نکلنے کا واحد حل سمجھتی ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ تمام سیاسی جماعتوں کے اشتراک اور تعاون سے ہی ملک کو تعمیر و ترقی اور استحکام بخشا جا سکتا ہے۔ الشرق الاوسط کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں راشد الغنوشی نے کہا کہ "ابھی تک ہمیں یہ نہیں محسوس ہوا کہ سیاسی حکومت کی جگہ ٹیکنو کریٹ حکومت قائم کرنے کی ضرورت ہے، پھر ان انتخابات کا کیا حاصل اگر اان کے ذریعہ قائم کی گئی حکومت کو برقرار نہ رکھا جائے"۔ **(بقیہ صفحہ ۷۴ پر)**

تعارف وتبصرہ

عبدالرحمن خالد فلاحی، سابق لائبریرین جامعۃ الفلاح

اندلس اور سسلی کی مسلم تاریخ و ثقافت
مصنف: ڈاکٹر محمد اسحاق فلاحی
ناشر: البلاغ پبلی کیشنز۔نئی دہلی
صفحات: 138، **قیمت**: 150

یہ اندلس کی مسلم تہذیب وثقافت پر اردو زبان میں ایک جامع اور مستند کتاب ہے۔ مباحث اس طرح ہیں: اندلس میں مسلمانوں کی فتح، اندلس میں اموی امارت، ملوک وطوائف اور سقوط غرناطہ، عملی خدمات، سسلی میں اسلام، ضمیمہ اقبال کے احساسات، گستاؤلیبان کے الفاظ میں اس بات کا اعتراف کہ تہذیب تو مسلمانوں کی دین ہے۔ کیا بہ لحاظ ترقی ودولت اور کیا بہ لحاظ ترقی علمی وعملی، وہ عرب ہی تھے جنھوں نے یورپ کو مہذب بنایا۔ جب ان کی تحقیقات علمی اور ایجادوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قلیل مدت میں ان سے زیادہ کسی قوم نے ترقی نہیں کی اور جب ان کی صنعت وحرفت پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے صنائع میں ایک جدت وندرت ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس بات کے ثبوت ودلائل کے لیے کتاب کو اہم تصاویر سے مزین وآراستہ کیا گیا ہے۔

قرآن۔ علم و معرفت کی شاہ کلید
مصنف: ڈاکٹر محمد اسحاق فلاحی
ناشر: البلاغ پبلی کیشنز۔نئی دہلی
صفحات: 155، **قیمت**: 150

کتاب کے مباحث اس طرح ہیں: خدا کی دینونت کا ظہور، حضرت محمدؐ کے زمانہ میں خدا کی دینونت، ہندوستان میں قرآن کی عوامی مقبولیت اور شاہ ولی اللہ کی خدمات، دینونت یعنی (اس کے قانون جزا وسزا کا ظہور ہونا) مصنف کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں مسلم معاشرے کے اندر جو جدید مسائل ومشکلات پیدا ہورہے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عہد وسطی کے فقہاء ومجتہدین کی آراء کو شریعت کا حکم سمجھ لیا گیا ہے اور قرآن کا مطالعہ ابتدائی صدیوں کے بعد دوسرے علوم وفنون کے پس منظر میں کیا جانے لگا۔ حالانکہ قانون وشریعت کی ہر بحث قرآن کی

آیات بینات کی روشنی میں ہونی چاہیے۔اس لیے مصنف نے اس کتاب میں دینونت (قانون جزاوسزا کا عمل قرآن کے آئینہ میں سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس کتاب میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور جناب جاوید احمد غامدی کی تحریروں سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے، اور قرآن کو قرآنی اسلوب میں سمجھنے کی دعوت دی گئی ہے۔

عہد وسطیٰ کے شمالی ہند میں غیر مقلدانہ صوفی طریقے

مصنف: ڈاکٹر محمد اسحاق فلاحی

ناشر: البلاغ پبلی کیشنز۔نئی دہلی

صفحات: 320، **قیمت:** 400

روحانی تجربے اسلام اور دوسرے مذاہب میں بلند اہمیت کے حامل ہیں۔روحانیت زندگی کا سرچشمہ ہے جس سے انسانی روح سکون حاصل کرتی ہے۔یہ روحانی تجربے اور ان کے ذریعہ حصول عرفان کسی فرد، گروہ یا نسل کی میراث نہیں ہے۔انسانی جبلت اور فطرت، مذہب اور روحانیت میں کشش رکھتی ہے۔مذہبیت اپنی ابتدائی شکل میں ظاہری قیود ورسوم کی بے حد پابند ہوتی ہے لیکن جب دھیرے دھیرے اس پر روحانی تجربہ غالب آجاتا ہے تو یہ ظاہری قیود اور رسوم غیر اہم ہوجاتے ہیں۔زیر بحث کتاب میں ایسے ہی غیر مقلدانہ صوفی طریقوں سے بحث کی گئی ہے جن کے یہاں طریقت وروحانیت کے نام پر شریعت سے انحراف اور دوری پائی جاتی ہے۔

اسلامی عمرانیات (شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار کا مطالعہ)

مصنف: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

ناشر: القلم پبلی کیشنز بارہ مولہ کشمیر

صفحات:256، **قیمت:**160

اس کتاب میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کا تعارف کرایا گیا ہے۔کتاب کا آغاز ان مباحث کے ساتھ کیا گیا ہے: اسلامی عمرانیات۔تفہیم اور تاریخی ارتقاء، شاہ ولی اللہ کا جامع تعارف، حجۃ اللہ کے ابواب ارتفاقات کا فکری نظام، شاہ ولی اللہ کے سیاسی افکار ونظریات کا مطالعہ حجۃ اللہ البالغۃ کے حوالے سے، جابرانہ خلافت اور احادیث نبوی سے استدلال، ملت قصویٰ کا فلسفہ (البدور البازغۃ کا مطالعہ)، احسان وتصوف کے اصولی مباحث۔

مصنف رقمطراز ہیں کہ ''یہ تمام بحثیں شاہ ولی اللہ کے عمرانی وسیاسی فکر کے اردگرد گھومتی ہیں، احسان وتصوف کے اصولی مباحث بھی شاہ ولی اللہ کے عمرانی افکار سے مربوط ہیں، بطور خاص احسان ولی اللہی کی صفات اربعہ عدالت، طہارت، اخبات اور سماحت کی ابعاد واطراف گرچہ انفرادی تعمیر سیرت پر زور دیتی ہیں مگر ان میں اجتماع ومعاشرت کے تقاضے بھی نظر انداز نہیں ہوئے ہیں، اس لیے وہ بحث بھی عمرانیات سے پوری طرح متعلق ہیں''۔

مصنف کا مقصد سماجی علوم کی اسلام کاری ہے۔موصوف کے بقول عمرانیات کی اسلام کاری ابھی عہد طفولیت میں ہے، اس فن کی ترقی وتکمیل کے پورے امکانات روشن ہیں، اس کے لیے طویل عمل اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔

اسلامی عقائد

مصنف: علامہ عفیف عبدالفتاح طبارہ، **مترجم:** ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی۔۲۵

صفحات:152، **قیمت**:78

علامہ عفیف نے اسلامی عقائد کی معنویت، نصوص کتاب وسنت، فطرت اور سائنسی توجیہات کی روشنی میں نمایاں کی ہے۔ یہ اصل کتاب ''روح الدین الاسلامی'' کے منتخب حصوں کا اردو ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی نے اس کتاب کا سلیس، بامحاورہ اور رواں ترجمہ کر کے اپنی عربی واردو زبان شناسی کا عملی ثبوت دیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ قاری اصل عربی کتاب سے مستفید ہو رہا ہے، منطقی اور موثر اسلوب کو مترجم نے باقی رکھا ہے، اور مفید حواشی سے کتاب کے حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔ کتاب کا ماحصل یہ ہے کہ آج معاشی، سیاسی اور سماجی پہلو سے دنیا بھر میں جو انتشار دیکھنے کو مل رہا ہے اس کا تدارک اسلامی عقائد کو تسلیم کیے بغیر ممکن نہیں۔

یھودی مغرب اور مسلمان

مصنف: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن۔نئی دہلی

صفحات:264، **قیمت**:200

پیش نظر کتاب مختلف نو مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں اس بات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ استعماری ذہنیت ہو یا اشتراکی ذہنیت، سب نے اپنے ناپاک مقاصد کے حصول کے لیے تہذیبی وفکری یلغار کا سہارا لیا ہے، اور سب کا ہدف اسلام اور مسلمان رہے ہیں، جس کی ایک نمایاں مثال مملکت اسرائیل کا وجود ہے۔

برصغیر ھند میں فقھی مخطوطات و مطبوعات ایک مطالعه

مصنف: ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی

ناشر: ایفا پبلی کیشنز، جامعہ نگر۔نئی دہلی

صفحات: ۲۷۹، **قیمت**: ۱۶۰

بقول مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ''ضیاء الدین ملک کی یہ کتاب 'برصغیر ہند میں فقہی مخطوطات ومطبوعات۔ ایک مطالعہ' کے نام سے قارئین کے سامنے ہے، مصنف کی یہ کاوش ان کی پہلی کاوش کی توسیع اور اس کا تکملہ ہے، جو عربی زبان میں انجام پانے والی فقہی خدمات سے متعلق ہے۔'' مباحث اس طرح ہیں: عہد وسطیٰ کے عربی مخطوطات ومطبوعات، عربی مخطوطات ومطبوعات کی باعتبار حروف تہجی فہرست، عہد وسطیٰ کی کچھ اہم فقہی تصنیفات کا تعارف وتجزیہ، فتاوی تاتارخانیہ کا تفصیلی تعارف، فقہاء ہند کے فکری منہج کا جائزہ۔ شرعی مسائل کی توضیح وتشریح میں فقہ اسلامی کو کلیدی ومرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے مصنف نے فقہ کے جامع وشامل کاموں کا تعارف کرا دیا ہے تا کہ ان سے استفادہ آسان اور ممکن ہو سکے۔

برصغیر ھند میں علوم فقه اسلامی کا ارتقاء (اردو مطبوعات کا تنقیدی وتجزیاتی مطالعہ)

مصنف: ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی

ناشر: ایفا پبلی کیشنز، جامعہ نگر۔نئی دہلی

صفحات: 252، **قیمت**: 150

زیرنظر کتاب ۱۸۵۷ء کے بعد کی فقہی سرگرمیوں کے جائزہ پر مشتمل ہے۔ مشمولات کی ترتیب کچھ اس طرح ہے: فقہاء ہند کی کاوشیں، اردوزبان میں منتقل ہونے والی تحریروں کا تذکرہ اشاریہ کے تحت۔ اشاریہ کے ذریعہ اردوزبان میں طبع زاد کتابوں کی فہرست، مختلف مدارس وعلمی مراکز کی فقہی خدمات کا اعتراف، بعض اہم اردو کتب فقہ کا تعارف، پاکستان کے صوبہ سندھ واسلام آباد میں فقہ اسلامی کی تحقیق وتدریس پر گفتگو۔ مصنف نے فقہ اسلامی کی اہمیت اور علماء ہند کی اس فن کی طرف خصوصی توجہ کے پس منظر میں اس بات کا تحقیقی جائزہ لیا ہے کہ برصغیر ہند میں اس علم کے ارتقاء کا سفر کس طور پر انجام پایا اور کن لوگوں نے اس میدان میں حصہ لیا۔ یہ کتاب ایک اہم علمی ضرورت کی تکمیل کرتی ہے۔

پیرو ڈی کا فن

مصنف: امتیاز وحید (فلاحی)

ناشر: عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی

صفحات: 380، **قیمت**:380

پیروڈی کی تخلیق کا مقصد محض ہنسی کے جذبہ کو تحریک دینا نہیں ہے بلکہ اس فن کے ذریعہ فطری جذبہ تفریح کو اس طور پر تحریک دینا ہے کہ انسان کی طبیعت میں خود بخود انبساط اور طرب کی کیفیت جنم لے لے۔ جب کسی کی کہی ہوئی بات کا اسی کے لب و لہجے میں مذاق بنتا ہے تو خامیاں خود بخود اس کی نظروں کے سامنے آجائیں گی۔ گویا کہ پیروڈی کے ذریعہ کسی تخلیقی سرمایے میں پائی جانے والی ادبی یا نظریاتی خامیوں کو اجاگر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ’پیروڈی کا فن‘ امتیاز وحید (فلاحی) کا ایک مبسوط تحقیقی وتنقیدی مقالہ ہے، جو موضوع کا تمام پہلوؤں سے بخوبی احاطہ کرتا ہے۔ کتاب کے مشمولات اس طرح ہیں: پیروڈی۔ فن اور مفہوم، نمائندہ پیروڈی نگار، نمائندہ پیروڈیوں کا تجزیاتی مطالعہ (نظم ونثر)، منتخب پیروڈیاں (نظم ونثر)

خواب سمندر (مجموعۂ کلام)

شاعر: عزیز نبیل (فلاحی)

ناشر: انجمن محبان اردو ہند، قطر

صفحات: 208، **قیمت**: 150

عزیز نبیل اچھے اور تازہ کار شاعر ہیں، گرچہ وہ بنیادی طور پر غزل گو شاعر نظر آتے ہیں، تاہم ان کی نظم وغزل دونوں پر توجہ ہے۔ عزیز نبیل نے تارک وطن ہونے کے باوجود اپنے وطن سے دوری اور اپنے پیاروں سے بچھڑ جانے کے ملال کو شعر کا رنگ نہیں دیا ہے، ان کا نظریہ ہے کہ پائے مرا لنگ نیست جائے خدا تنگ نیست۔ ایک مومن کے لیے تمام دنیا وطن کی حیثیت رکھتی ہے، جس کا اظہار اس شعر سے بھی ہوتا ہے ؎

جس طرف چاہوں پہنچ جاؤں مسافت کیسی
میں آواز ہوں آواز کی ہجرت کیسی

●◌●

آپ کے خطوط

الحمدللہ گزشتہ شمارے سے متعلق قارئین کے تأثرات کافی بڑی تعداد میں موصول ہوئے، البتہ صفحات کی قلت کے سبب جملہ تأثرات کو شامل اشاعت کرنا ممکن نہ تھا، چنانچہ یہاں معذرت کے ساتھ محض چند خطوط کی اشاعت پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ **مدیر)**

نسیم غازی فلاحی، نئی دہلی

ظاہری حسن اور باطنی خوبیوں سے لبریز سہ ماہی مجلّہ حیات نو بلریا گنج کا شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ء موصول ہوا۔ اس کے بیشتر مضامین کا مطالعہ بھی کرلیا۔ اپنے تأثرات آپ کو بھیج رہا ہوں تاکہ آپ لوگوں کی حوصلہ افزائی بھی ہو، توجہ طلب امور پر غور بھی ہو، اور اعتراف نعمت بھی ہو۔ آپ نے رسالے میں جو کالم متعین کئے ہیں بہت اچھے ہیں، البتہ اس میں حسب ضرورت معمولی ترمیم کی گنجائش رکھئے گا۔

سدید ازہر فلاحی کا مضمون 'عقیدہ تقدیر۔ ایک زندہ وحرکی تصور' بہت اچھا ہے، البتہ صفحہ ۸/ پر سورہ حدید کی آیات ۲۲/۲۳/ میں ''ماأصاب من مصيبة '' کا جو ترجمہ (روئے زمین پر جو مصیبت آتی ہے) کیا گیا ہے، یا دیا گیا ہے، وہ قابل توجہ ہے۔ اردو زبان میں مصیبت پریشانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، غالبا اسی سے متأثر ہوکر عربی میں استعمال 'مصيبة' لفظ کا ترجمہ مصیبت کردیا جاتا ہے۔ جبکہ صحیح ترجمہ ہونا چاہئے: ''جو بات یا چیز (اچھی یا بری) تمہیں پہنچتی ہے''۔ چنانچہ ان ہی آیات کے آخر میں اچھی چیز اور نعمت کا ذکر موجود ہے کہ تم نعمت پاکر اتراؤ نہیں۔ نیز اسی صفحہ کے آخر میں ازہر صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں اصابت کو مطلق لاحق ہونے یا پہنچنے کے معنی میں لیا ہے۔

مولانا ابوالمکارم فلاحی ازہری صاحب کا مضمون 'سیرت کا مطالعہ کیوں اور کیسے؟' بڑا معلوماتی اور جامع ہے۔ موصوف نے سیرت کی بعض کتب کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔ اس ضمن میں بعض کتبِ سیرت اور بھی ہوسکتی ہیں۔ مثلاً محمد عربیؐ از مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی۔ یہ کتاب اردو ہندی میں ایک لاکھ سے زائد شائع ہوچکی ہے، اور غیر مسلموں کو بہت متأثر کرتی ہے، بلکہ کچھ کی زندگیوں کو اس کتاب نے بدل کر رکھ دیا ہے۔ سوامی لکشمی شنکر آچاریہ اس کی زندہ مثال ہیں۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے کٹر مخالف تھے اور اسلام کے خلاف کئی کتب لکھ چکے تھے۔ لیکن جب قرآن (ہندی ترجمہ) اور محمد عربیؐ (ہندی) کا مطالعہ کیا تو انہوں نے اپنی سبھی اسلام مخالف تحریروں اور کتب پر اللہ، نبیؐ اور مسلمانوں سے معافی طلب کرتے ہوئے ان کتب کو واپس لے لیا، اور اسلام کی

تبلیغ کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا۔ (دیکھیں موصوف کی تازہ کتاب 'اسلام ایک مثالی دین')

اس ضمن میں ایک ضرورت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کی ایک ایسی کتاب کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے، جو آپؐ کی تعلیمات کی روشنی میں لکھی گئی ہو۔ ویسے اس موضوع پر ایک شاندار کتاب ڈاکٹر بی این پانڈے (آنجہانی) کی موجود ہے، جسے حکومت ہند کے ایک ذیلی ادارے نے شائع کیا ہے۔ گرچہ ہمارے نزدیک اس میں کئی چیزیں اصلاح طلب ہیں۔

اسی مضمون میں اسرائیلیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ میرا مشورہ ہے مولانا ابوالمکارم صاحب سے اس موضوع پر ایک جامع مضمون لکھوایا جائے۔

''فکر و آگہی'' کالم کے تحت 'فارغین مدارس کا مطلوبہ کردار' کا سلسلہ شاندار ہے اور مفید بھی۔ اس کا ہم سے براہ راست تعلق ہے۔ اس سے مدارس کو خصوصاً جامعۃ الفلاح کو اپنے منصوبوں کی تکمیل میں بہت مدد ملے گی۔ اس کے تحت کئی ساتھیوں کی تحریریں ہیں جن میں انہوں نے اپنے اپنے انداز میں نہایت قیمتی باتیں لکھی ہیں۔ ان سب کی قدر کرتے ہوئے اسماعیل فلاحی صاحب کے مضمون صفحہ ۲۴/۲۵ کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ موصوف نے لکھا ہے: ''اللہ، رسول، کتاب اور آخرت پر ایمان راسخ ہے اور تمام خلق کو اللہ کا کنبہ اور تمام انسانوں کو اولادِ آدم صحیح معنوں میں کوئی سمجھتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگ رنگ، نسل، زبان، علاقہ، مسلک، مشرب اور گروہ بندی کی تنگنائیوں سے نکل کر اور بے جا عصبیتوں سے اوپر اٹھ کر، ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے کی تکریم کرنے والے، ایثار پیشہ، عہد کے پابند، زبان کے سچے، امانت دار، دل کے صاف، عفت و حیا کے پیکر، متواضع اور خاکسار، غریبوں، مسکینوں کے مددگار، یتیموں، بیواؤں، مریضوں کے خدمت گزار اور باہم اتحاد و اتفاق اور تعاون کی راہوں کے جویا اور متلاشی، دوسروں کی زیادتیوں کو کشادہ دلی سے معاف کر دینے والے، اپنے حق سے کم پر راضی، اپنی کوتاہیوں کے معترف اور دوسروں کی خوبیوں کے مداح ہوں گے۔''

میں پورے ہوش کے ساتھ یہ بات عرض کر رہا ہوں کہ اگر فارغین مدارس اور معلمین مدارس اور متعلقین مدارس کے اندر یہ صفات عملاً پیدا ہو جائیں تو ہمارے ملک کا نقشہ کچھ دیگر ہوگا۔ پھر ہماری دیگر کوششوں میں جان پڑ جائے گی۔ ان باتوں کو نظر انداز کر کے ہم اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے، ہرگز نہیں۔

''اردو تراجم قرآن پر ایک تنقیدی نظر'' میں محی الدین غازی نے بڑے سلیقے سے جائزہ پیش کیا ہے، یہ سلسلہ بہت مفید ہے، اسے جاری رہنا چاہئے۔

''آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے'' کے تحت راشد حامدی صاحب نے ڈاکٹر شبنم سبحانی کے انتقال پر نہایت مؤثر تحریر پیش کی ہے۔ شبنم صاحب نہایت شریف، اعلیٰ ظرف، خاکسار اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ کاموں پر لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے، اپنے کارناموں کی تعریف کرتے نہ پھرتے، کسی سے بھی ملنے میں عار نہ محسوس کرتے، کسی کے نامناسب رویے اور سلوک پر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے، کسی کی غیبت اور برائی نہ کرتے، ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ ملتے۔ ان کی تحریروں کے سلسلے میں اگر کوئی مشورہ حذف و اضافہ کا دیا جاتا تو کشادہ دلی

کے ساتھ اسے قبول کرتے ،اوراس پرخوش ہوتے۔اورنہ جانے کیا کیا خوبیاں تھیں ان میں،رب ہی بہتر جانتا ہے۔

راشد حامدی صاحب نے ان کے تعلق سے لکھا ہے کہ ''یہ خبراتنی جانکاہ تھی کہ یقین ہی نہیں ہوتا تھا کہ شبنم سبحانی صاحب ہم سے ہمیشہ ہمیش کے لیے دور ہوگئے ہیں''۔ میں راشد صاحب کو یقین دلاتا ہوں (ان شاءاللہ) مرحوم ہمیشہ ہمیش کے لیے ہم سے دور نہیں ہوئے ہیں، یہ جدائی صرف عارضی ہے۔اللہ رب کریم کا وعدہ ہے کہ نیک اور صالح لوگ جنت میں ایک ساتھ رہیں گے۔

'مادرعلمی' کالم کے تحت جامعہ کے لیل ونہار پڑھ کر دل پر عجیب سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ پرانی یادیں، جب ہم مادرعلمی کی گود میں تھے،تازہ ہوجاتی ہیں۔مشفق اساتذہ یادآتے ہیں،ساتھی یادآتے ہیں،بستی اورقرب وجوار کےلوگ یادآتے ہیں۔اس کالم کو پڑھتے ہوئے ایسامحسوس ہوتا ہے کہ ہم اس وقت جامعہ ہی میں موجود ہیں اور وہیں کی فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔جامعہ ملت کا عظیم سرمایہ ہے،جس کے ہمارے اوپر بڑےاحسانات ہیں،ان احسانات کا بدلہ صرف اسی صورت میں چکایا جاسکتا ہے کہ سبھی فارغین جامعہ اور متعلقین جامعہ کندھے سے کندھا ملا کر پورے خلوص کے ساتھ اس کی خدمت کریں۔اللہ ہم سب کو اپنی مادرعلمی کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

<u>رضوان احمد فلاحی</u>،لندن

آپ کا گرامی نامہ ای میل کے توسط سے ملا،اورساتھ میں حیات نو کی پی ڈی ایف بھی۔شکریہ

یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ادارت کے فنی لوازم کو سامنے رکھتے ہوئے پرچہ سلیقے سے مرتب کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔طویل عرصے کے بعد ایک بور کردینے والے، رطب ویابس سے بھرے ہوئے بے جان اور غالباً محض حصول برکت کی خاطر شائع کیے جانے والے پرچے کی جگہ ایک زندہ اور متفاعل (Interactive) پرچہ دیکھنے کو ملا۔ یا یوں کہیے کہ 'حیات نو' کو نئی زندگی مل گئی ہے۔ میں شدید مصروفیت کے سبب ابھی پورا پرچہ نہیں پڑھ سکا ہوں۔خصوصی کالم کے علاوہ محی الدین غازی کا مضمون ہی ابھی صرف پڑھا ہے۔خصوصی کالم کے تحت ڈاکٹر عبیداللہ فہد کی تحریر بہت اہم ہے۔ان شاءاللہ پورا پرچہ پڑھنے کے بعد ہی مزید کچھ عرض کرسکوں گا۔سردست پروف خوانی کی طرف توجہ دلانی چاہتا ہوں۔ایک جگہ 'عالمیت' کا 'یت' دوسری سطر میں چلا گیا ہے۔اسی طرح 'علماء' کا ہمزہ اگلی سطر کو زینت بخش رہا ہے۔غرض عالمیت اور علماء، دونوں دو ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں۔طباعت کے لیے بھیجنے سے پہلے تیار کردہ کاپی کے پروف ایک بار پھر دیکھ لیے جانے سے اس طرح کی غلطیوں کا امکان باقی نہیں رہتا ہے۔

آپ نے آئندہ شمارے کے لیے اپنے پیش کردہ دوموضوعات میں سے کسی ایک پر میری تحریر طلب کی ہے۔آپ کی فرمائش پوری کرنے سے مجھے بڑی خوشی ہوتی۔لیکن اس وقت چند ضروری کاموں نے اتنا مصروف کررکھا ہے کہ صرف معذرت ہی پیش کرسکتا ہوں۔اسی مصروفیت کے سبب آپ کو جواب بھی تاخیر سے دے

رہا ہوں۔ امید ہے میری معذرت خواہی کو آپ رسمی نہیں سمجھیں گے۔

'حیات نو' سے متعلق دیگر افراد اور جاننے والوں کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیجیے، ممنون ہوں گا۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر مبارک باد قبول کیجیے۔

خالد اعظمی، حال مقیم کویت

آپ کے ہاتھوں مرتب کردہ سہ ماہی حیات نو کا تازہ شمارہ دیکھنے، پڑھنے اور اس کے سلسلہ میں لوگوں کے خیالات جاننے کا موقع ملا، بحیثیت مجموعی تمام ہی افراد نے آپ کی ان کاوشوں کو سراہا، اور مزید سے مزید کے لیے کلمات خیر سے نوازا۔ آمین

میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے مدارس سے شائع ہونے والے مجلّات سامنے رکھیں جائیں تو 'حیات نو' کا شماران کے درمیان چند منتخب مجلوں میں ہوگا۔

محترم ایڈیٹر صاحب! حیات نو سے متعلق درج ذیل چند مشورے پیش ہیں، امید ہے کہ ان پر غور کریں گے:

(۱) فلاحی برادران سے گزارش ہے کہ وہ حیات نو کو زیادہ سے زیادہ قارئین تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

(۲) حیات نو کے ذریعہ جامعہ کی علمی خدمات کو منظر عام پر لایا جائے۔

(۳) جو قدیم اساتذہ وفات پاچکے ہیں ان کی علمی کاوشوں کو حیات نو کی زینت بنایا جائے۔

(۴) باحیات قدیم اساتذہ کی اُن علمی اور تنقیدی آراء کو بھی حیات نو میں جگہ دی جائے جو اُن بزرگ اساتذہ نے داخل نصاب کتابوں پر بطور تعلیق درج کی ہیں، یا کرتے رہتے ہیں۔

(۵) اساتذہ کرام کے انٹرویوز مختلف شکلوں میں شائع کیے جائیں۔ مثلاً اگر کوئی شیخ التفسیر ہے تو اس سے اسی نوعیت کے سوالات کیے جائیں، اگر کوئی فقہ کا درس دے رہا ہے تو اس سے اس کے میدان سے متعلق سوالات کیے جائیں، وغیرہ وغیرہ۔

رضوان احمد رفیقی فلاحی، سکریٹری انجمن طلبہ قدیم

حیات نو انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان ہے۔ تازہ شمارہ کو دیکھ کر پہلی نظر میں اندازہ ہوا کہ صحیح معنوں میں یہ طلبہ قدیم کا ترجمان ہے۔ الحمدللہ فلاحی برادران کی نمائندگی بھی اچھی ہے، اور مضامین میں تنوع اور معیار دونوں کا خیال رکھا گیا ہے، مضامین کا تنوع فلاحی برادران کی علمی وتخلیقی صلاحیتوں کے تنوع پر دلالت کرتا ہے۔

نیاز احمد فلاحی، حال مقیم قطر

امید کہ خیر وعافیت سے ہوں گے۔ حیات نو کا تازہ شمارہ ملا۔ اداریے نے کافی متأثر کیا۔ اللہ بزرگ وبرتر آپ کے نیک ارادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچائے، اور بلند عزم وحوصلہ کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔

مختلف اور متنوع اہم مضامین سے سجا حیات نو آپ کی محنت اور صلاحیت کا عکاس ہے۔ خصوصی کالم

(فکروآگہی) اچھا آغاز اور بہترین سوچ ہے۔ ان شاء اللہ اس کے ذریعہ نہ صرف موضوع سے متعلق مختلف گوشے افکار وخیالات اور آراء وتجاویز سامنے آئیں گی، بلکہ امت کو صحیح رخ متعین کرنے اور درست فیصلہ لینے میں معاونت ہوگی۔

شمارے میں جہاں متعدد مقامات اور مختلف دور کے فلاحیوں کی نمائندگی ہوئی ہے، وہیں پر ان کے پتے اور ای میل باہمی ربط وتنسیق کے لیے اہم ہیں۔

یہاں پر مقیم فلاحیوں نے بھی اسے سراہا ہے۔ امید کرنا بجا ہے کہ ہمارے محترم پیش روؤں نے حیات نو کو جس بہتر معیار اور بلندی تک پہونچایا ہے، اس میں مزید عروج حاصل ہوگا، اور یہ اردو رسائل میں ایک معتبر اور مستند مقام حاصل کرے گا۔

<u>عبید اللہ طاہر فلاحی، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ</u>

حیاتِ نو کا نیا شمارہ (جولائی-ستمبر 2013) موصول ہوا۔ اس کا نیا انداز دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ ملتے ہی سرسری اور بعد ازاں بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ سب سے اہم اور خوش آئند جو بات محسوس ہوئی وہ یہ کہ شمارے کو دیکھ کر لگا کہ حیاتِ نو واقعی ’’فلاحی برادران‘‘ کا ترجمان ہے، ورنہ گزشتہ کچھ عرصہ سے یہ فلاحیوں کا کم اور جامعۃ الفلاح کا ترجمان زیادہ نظر آتا تھا۔ مضمونوں اور مضمون نگاروں کا تنوع خاص خوبی نظر آئی۔ خصوصی کالم ’’فکر وآگہی‘‘ ایک عمدہ اور لائق ستائش آغاز اور علمی اضافہ ہے، اس سے ایک موضوع پر متعدد افراد کی آراء یکجا پڑھنے اور جاننے کا موقعہ ملتا ہے اور غور وفکر کے نئے دروازے کھلتے ہیں۔ جناب ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب کا مضمون ’’اُردو تراجم قرآن پر ایک تنقیدی نظر‘‘ موجودہ شمارہ کا حاصل ہے۔ نیز حالات حاضرہ پر دیگر دو مضامین بھی انتہائی اہم اور وقت کی ضرورت کے مطابق ہیں۔ قصہ مختصر، ایسا محسوس ہوا مانو حیاتِ نو کو واقعی ’’حیاتِ نو‘‘ مل گئی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے جلد از جلد ماہانہ کر دیا جائے۔

<u>عزیز الرحمن فلاحی، انٹرنیشنل سینٹر فار ایجوکیشن ان اسلامک فائنانس (INCEIF)، ملیشیا</u>

حیات نو بذریعہ ای میل موصول ہوا۔ اس شاندار اور کامیاب پیشکش پر ہماری طرف سے بہت بہت مبارکباد، اور ان تمام لوگوں کا بہت بہت شکریہ جنھوں نے اس شمارے کی تیاری میں آپ کا تعاون کیا۔ ’اخبار جامعہ‘، اور ’خصوصی کالم‘ کے تحت فارغین مدارس کی ذمہ داریاں، سماج میں ان کے مطلوبہ کردار اور جدید دنیا میں فارغین مدارس کو درپیش چیلنجز سے متعلق مختلف فلاحی برادران کے افکار وخیالات پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ مجلّہ بہت ہی سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے، اور مضامین کا انتخاب واقعی ’حیات نو‘ جیسے مجلّے کے شایانِ شان ہے۔ میرے خیال سے اگر حیات نو میں کچھ ایسے مضامین بھی شامل کر دیئے جائیں جو موجودہ نظام کے اسلامائزیشن پر Qualitative ریسرچ کے ساتھ Quantitative ریسرچ پر بھی مشتمل ہوں تو مجلّے کا حسن اور افادیت دوبالا ہو جائے گی۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبہ اعلی، جامعۃ الفلاح

تعطیل عیدالاضحیٰ

اعلان کے مطابق جامعہ میں عیدالاضحیٰ کی تعطیل ۱۵/اکتوبر بروز دوشنبہ تا ۱۹/اکتوبر بروز شنبہ ہوئی، تعطیل مختصر ہونے کے سبب قرب وجوار کے طلبہ ہی اپنے گھروں کے لیے روانہ ہوسکے، کشمیر، جنوبی ہند، اور دوسرے مقامات کے طلبہ نے جامعہ ہی میں تعطیل کے ایام گزارے، اس موقع پر جامعہ میں ان کے لیے قربانی کا نظم کیا گیا، اور قیام وطعام کی مناسب سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ۲۰/اکتوبر بروز یکشنبہ سے دوبارہ تعلیم کا آغاز ہوا۔

سہ ماہی امتحانات

جامعہ کے تعلیمی کلینڈر کے مطابق سہ ماہی امتحانات کا آغاز ۲۴/اکتوبر بروز پنجشنبہ ہوا، ۳۰/اکتوبر بروز پنجشنبہ تک یہ امتحانات جاری رہے، یہ امتحانات روزانہ دوشفٹ میں ہوئے۔

جناب سعید احمد صاحب کی جامعہ آمد

گزشتہ سال کی طرح امسال بھی معروف کریئر کاؤنسلر جناب سعید احمد صاحب پونہ ماہ نومبر کی ۱۳/تاریخ کو دوروز کے لیے جامعۃ الفلاح تشریف لائے، یہاں انہوں نے اساتذہ، طلبہ اور طالبات کے سامنے الگ الگ کئی محاضرات پیش کئے، اساتذہ کے سامنے انہوں نے گفتگو کرتے ہوئے 'کارکردگی میں مہارت' کے موضوع پر محاضرہ پیش کیا، اس کے علاوہ طلبہ اور طالبات کے سامنے بھی 'خود آگہی'، 'شخصیت کا ارتقاء'، وغیرہ اہم موضوعات کے تحت آپ کے کئی محاضرات ہوئے۔

مہتمم جامعہ کا فضیلت اور عالمیتین کے درجات سے خطاب

مہتمم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی نے ۱۴؍نومبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات ابواللیث ہال میں فضیلت اور عالمیتین کے طلبہ کے سامنے 'ہم علمی مقالہ کیسے لکھیں' عنوان کے تحت خطاب کیا، بعدازاں طلبہ نے اس سلسلے میں درپیش مسائل سامنے رکھے اوران پر تفصیلی تبادلہ خیال ہوا۔

کلیۃ البنات میں دوروزہ تربیتی وتنظیمی اجتماع برائے فارغات مدارس وجی آئی او

گزشتہ دنوں ۲۹؍۳۰؍نومبر کو کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح میں جماعت اسلامی ہند حلقہ یوپی مشرق کی جانب سے دوروزہ تربیتی وتنظیمی اجتماع برائے فارغات مدارس وجی آئی او کا انعقاد عمل میں آیا۔اس دو روزہ اجتماع میں امیر حلقہ یوپی مشرق مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی کے علاوہ محترمہ سعدیہ صالحاتی، محترمہ سلمی سلامت اللہ فلاحی، محترمہ تسنیم نزہت، محترمہ ناہید صاحبہ، محترمہ گل شاداب صاحبہ، محترمہ ساجدہ ابواللیث فلاحی، محترمہ شمسیہ فلاحی، اورمحترمہ اسماء فیروز فلاحی صاحبہ نے مختلف موضوعات کے تحت خطاب کیا۔

طلبہ جامعہ کی بہترین کارکردگی

امسال جامعہ سے طلبہ کی ایک ٹیم گورکھپور میں جارج اسلامیہ انٹر کالج میں ہونے والے بین المدارس مسابقہ جات میں شریک ہوئی، یہاں اردو، ہندی اورانگریزی تقاریر کے علاوہ نعت خوانی، قرأت، اورحدیث کے مسابقے ہوئے، جامعہ سے یہ ٹیم استاذ جامعہ جناب نعمت رحیم صاحب کی قیادت میں گئی۔ان مسابقات میں جامعہ کے چار طلبہ نے مختلف پوزیشن حاصل کیں، جن میں دلشاد احمد عربی سوم نے نعت کے مقابلہ میں پہلی پوزیشن حاصل کی، اورمحمد شاداب عربی چہارم نے کوئز کے مقابلہ میں پہلی پوزیشن حاصل کی، جبکہ نثار احمد عربی چہارم نے اردو تقریر میں اورسرفراز احمد عربی چہارم نے انگریزی تقریر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

جامعہ میں نئی تقرریاں

امسال جامعہ میں کئی ایک نئی تقرریاں عمل میں آئی ہیں، شعبہ اعلی طالبات میں انگریزی تعلیم کے لیے ماسٹر آفتاب عالم صاحب (ریٹائرڈ ٹیچر)، مرکزی لائبریری میں بطور بک لفٹر جناب ظہیر احمد صاحب، اورشعبہ حفظ میں قاری شمیم احمد صاحب، اور الفلاح ہسپتال کے لیے ڈاکٹر وامق اور ڈاکٹر صالحہ کی تقرری عمل میں آئی ہے۔اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ تمام وابستگان جامعہ کو بہترین انداز میں جامعہ کی خدمت انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

جامعہ میں تعمیراتی کام زوروں پر

امسال جامعہ میں دو اہم تعمیراتی پروجیکٹ پر کام چل رہا ہے، جس میں ایک جامعہ کی مسجد کے

اندرونی حصے میں ماربل فرش کا کام ہے، جو تقریباً مکمل ہونے والا ہے، اور دوسرا جامعہ کی مسجد تک پہنچنے والے مختلف راستوں کی انٹرلاکنگ کا کام ہے۔ جامعہ کے صدر دروازہ سے مسجد تک، اور طلبہ کے قدیم ہاسٹل مودودی (علیہ الرحمۃ) منزل اور حسن البناؒ (شہید) منزل کے سامنے سے گزرنے والے راستوں کی انٹرلاکنگ کا کام تقریباً مکمل ہونے والا ہے، اس موقع پر ادارہ حیات نو آخرالذکر تعمیراتی پروجیکٹ پر نگر پنچایت بلریاگنج کے چیئرمین جناب محمد عارف خان اور ان کی ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہے، اللہ رب العزت انہیں جزائے خیر سے نوازے، آمین۔

جامعہ میں نئی بسوں کی خریداری

جامعہ میں علاقہ کی طالبات کی آمدورفت کے لیے طویل عرصے سے بسوں کا نظم موجود تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بسیں کافی بوسیدہ اور ناقابل استعمال ہوگئی تھیں، چنانچہ امسال جامعہ میں پانچ نئی چیسس خرید لی گئی ہیں، جن کی باڈی وغیرہ کی سیٹنگ کا کام ابھی جاری ہے۔

قدیم خادم جامعہ منشی سہیل صاحب کی رحلت

گزشتہ دنوں جناب منشی سہیل صاحب طویل علالت کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ناظم ضلع جماعت اسلامی، اعظم گڑھ مولانا محمد عمران فلاحی، استاذ شعبہ اعلی جامعۃ الفلاح نے مرحوم کے سلسلے میں ادارہ حیات نو کو اپنا تعزیتی بیان دیتے ہوئے کہا کہ ”موصوف کا نام جامعۃ الفلاح کے قدیم بہی خواہوں میں شامل ہے، یقیناً جامعہ کے لیے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، آپ رکن جماعت تھے، اور ابتدا ہی سے جامعہ سے بطور سفیر وابستہ رہے، اس کے علاوہ مختلف اوقات میں منشی مطبخ کی خدمات بھی انجام دیتے رہے، مرحوم بندی گھاٹ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، انتہائی سادہ اور منکسر المزاج شخصیت کے حامل تھے، اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔“

قاری طارق کوثر جمال صاحب کو صدمہ

جامعۃ الفلاح میں شعبہ حفظ کے استاذ جناب قاری طارق کوثر جمال صاحب کے والد جناب عبدالحکیم صاحب ۲۵ نومبر بروز دوشنبہ ہارٹ اٹیک کے نتیجے میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے، مرحوم صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ ادارہ حیات نو اس موقع پر مرحوم کے لیے دعائے مغفرت اور پسماندگان کے لیے دعائے صبر جمیل کی درخواست کرتا ہے۔

نومنتخب مجلس نمائندگان

انجمن طلبه قدیم

برائے میقات ۱۶-۲۰۱۴ء

شمار حلقه	حلقے کا نام	منتخب ممبران
۱۔	آندھر پردیش	۱۔شیخ عظیم الدین
۲۔	علی گڑھ	۱۔ضیاءالدین ملک
		۲۔ضمیر الحسن خان
		۳۔محی الدین ساجد
		۴۔محمد سمیع اختر
۳۔	الہ آباد و اطراف	۱۔محمد اسلم
		۲۔طفیل احسن
۴۔	آسام	۱۔ابوالحسن
۵۔	اعظم گڑھ	۱۔حافظ محمد دانش
		۲۔ابوصالح
		۳۔زریاب احمد
		۴۔اسرار احمد
		۵۔فیضان احمد
		۶۔عبدالرحیم غانم
		۷۔احمد کلیم
		۸۔معین الدین
		۹۔سمیع اللہ

۶۔	**بنگال**	۱۔ریاض الدین
۷۔	**بہار**	۱۔صباح الدین ملک
		۲۔سلمان اختر
		۳۔علی مرتضی
۸۔	**برطانیہ**	۱۔غلام نبی
۹۔	**دھلی**	۱۔محمد نعیم غازی
		۲۔رضوان احمد رفیقی
		۳۔مشرف حسین صدیقی
		۴۔محمود عاصم
		۵۔راشد حامدی
		۶۔عمیر عالم
		۷۔فہیم عمران
		۸۔آصف نواز
		۹۔فیصل امین
		۱۰۔شمشاد حسین
		۱۱۔ساجد خلیل
		۱۲۔ابوالاعلی سید سبحانی
۱۰۔	**گجرات**	۱۔احمد سعید
۱۱۔	**ھریانہ**	۱۔علی محمد
۱۲۔	**جھارکھنڈ**	۱۔احمد اللہ
۱۳۔	**سعودی عرب**	۱۔انعام اللہ اعظمی
		۲۔عزیر احمد ملک
۱۴۔	**کرناٹک**	۱۔عبدالعزیز فارس
۱۵۔	**کشمیر**	۱۔مجاہد شبیر
		۲۔ارشاد احمد میر
۱۶۔	**کیرلہ**	۱۔ذوالقرنین حیدر سبحانی

۱۷۔	**کویت**	۱۔محمد عمر فخری
۱۸۔	**لکھنؤ واطراف**	۱۔ملک محمد فیصل
		۲۔ولی اللہ سعیدی
		۳۔اظہر الدین
		۴۔محمد شریف
۱۹۔	**مدھیہ پردیش**	۱۔مبارک حسین
۲۰۔	**مہا راشٹرا**	۱۔محمد یونس
		۲۔محمد الیاس
۲۱۔	**ممبئی و تھانہ**	۱۔عبدالسمیع
		۲۔دانش ریاض
		۳۔ملک نیاز احمد
		۴۔اوصاف احمد
۲۲۔	**نیپال**	۱۔سراج احمد
		۲۔نظر الحسن
		۳۔عارف حسین
۲۳۔	**قطر**	۱۔افضال احسن
۲۴۔	**راجستھان**	۱۔قاسم رسول
۲۵۔	**یو اے ای**	۱۔اکرام الرحمٰن
۲۶۔	**مغربی یوپی و اترا کھنڈ**	۱۔ثاقب حسین
		۲۔ضیاء الرحمٰن

نومنتخب نمائندگان کا اجلاس

نومنتخب مجلس نمائندگان کا اجلاس ان شاء اللہ ۱۴/۱۵/ دسمبر ۲۰۱۳ء کو مادر علمی جامعۃ الفلاح کے کیمپس میں ہوگا، اس موقع پر آئندہ میقات کے لیے صدر انجمن اور مجلس شوری کا انتخاب بھی عمل میں آئے گا۔

حکمت و دانائی کا خزانہ **منشورات** کی فکر افروز کتابیں

صرف ۵ منٹ!

شام کی جیلوں میں گزارے ہوئے لرزہ خیز مظالم کے ۹ سال

مصنف: ہبہ الدباغ

ترجمہ: میمونہ حمزہ

قیمت: 200/-

عصرِ حاضر کی

مجاہد خواتین

مصنف: مریم السید ہنداوی

ترجمہ: محمد ظہیر الدین بھٹی

قیمت: 150/-

جب زندگی شروع ہوگی

ایک ناقابل فراموش داستان، زندگی کو بدل دینے والی کہانی

مصنف: ابو یحییٰ

قیمت: 200/-

عظمتِ کردار

مصنف: ڈاکٹر اختر حسین عزمی

قیمت: 130/-

عالم اسلام کے ممتاز عالم دین اور داعی علامہ **یوسف القرضاوی** کے قلم سے

نفاذِ اسلام کی تڑپ اور اس کے لیے جدوجہد کا عزم و جذبہ رکھنے والے افراد کے لیے رہنما دو نئی تصانیف

دین میں ترجیحات

صفحات: 408 قیمت: ₹200/-

اسلامی نظام (ایک فریضہ۔ ایک ضرورت)

صفحات: 288 قیمت: ₹160/-

Manshurat
PUBLISHERS AND DISTRIBUTORS

منشورات
پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

E-61, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi - 110025 Ph.: 09212135335, 9810650228
E-mail: manshuratindia@gmail.com Website: www.manshurat.in

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلی شرز اور دیگر تحریکی اداروں کی مطبوعات ہمارے یہاں سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔